ناولٹ

ایک بدگمان سی لڑکی

نادیہ فاطمہ رضوی

جب ملنا جب مجھ سے تم کو پیار ہو
میری محبت کا جب تم کو اعتبار ہو
دھڑکنیں رکتی ہوں جب تمہاری شام و سحر
دل بھی مجھ سے ملنے کو بے قرار ہو

ٹرین اپنی چھک چھک کی مخصوص آواز کے ساتھ اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔ خون کو منجمد کر دینے والی سردی اور برفیلی ہواؤں کی پروا کیے بغیر نہ جانے کتنے گاؤں، شہروں، کھیتوں کو پیچھے چھوڑتی تیز رفتاری سے چلی جا رہی تھی۔ اس کا بھی تو پیارا سا شہر بہت پیچھے رہ گیا تھا جہاں اس کا چھوٹا سا گھر تھا جس کے کھلے آنگن میں جامن کا درخت تھا جہاں اس نے بڑے شوق سے جھولا ڈالا ہوا تھا۔ تپتی دوپہروں میں جب پورا محلہ اپنے ٹھنڈے کمروں میں آرام کر رہا ہوتا تو وہ اپنے آنگن میں لگے جامن کے اس درخت کے نیچے آ بیٹھتی۔ درخت کی اس ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھنے کا جو مزہ تھا وہ شاید ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں بھی نہیں تھا اور جب سردیوں کی نرم گرم دھوپ میں آ کر وہ یہاں بیٹھتی تو ٹھٹھرتی ہوئی سردی کی شدت پرکیف سی خوشی میں بدل جاتی۔

"ہے کے ابا.... ذرا کولر سے پانی تو نکال دو۔"

تیز چنگھاڑتی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو ایک چھناکے کے ساتھ اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹا۔ اس نے ہڑبڑا کر ارد گرد دیکھا پھر جیسے کچھ یاد آنے پر اس نے ایک گھٹی گھٹی سی مضمحل سانس خارج کی اور اپنا دکھتا سر سیٹ کی پشت سے لگا دیا۔

ٹرین کے اس اکانومی کلاس کے ڈبے کا ماحول مخصوص سا تھا۔ سامنے والی برتھ پر ایک بھاری بھرکم عورت بمشکل سیٹ میں سمائی ہوئی تھی جس کے ساتھ پانچ عدد روتے بسورتے بچے مسلسل اپنا راگ الاپ رہے تھے۔ کچھ دور ان ہی خاتون کے جیسی ہوتی بڑی کے مانند شوہر لپک لپک کر اپنی بیوی کی ایک ہی آواز پر ڈبے میں یہاں سے وہاں دوڑے چلے جا رہے تھے جب کہ دائیں جانب کوئی نوبیاہتا جوڑا بیٹھا تھا جو شاید اپنے ہنی مون ٹرپ پر جا رہا تھا۔ تیز گلابی بھڑکتا سلگتا جوڑا اپنے چہرے پر انتہائی تیز میک اپ کیے اپنے سرتاج کی سرگوشیوں پر شرم سے جھکی جا رہی تھی دوسرے مسافروں کے لیے یہ تماشا خاصا دلچسپ تھا جس سے تقریباً تمام مسافر محظوظ ہو رہے تھے۔ اپنی آنکھیں موندے اپنے ٹوٹے بکھرے اعصاب کو جوڑنے اور سمیٹنے کی کوشش میں مصروف تھی۔

"حوصلے سے کام لینا میری بچی خدا تیرے ساتھ ہے جو سب سے بڑی طاقت اور بہترین مددگار ہے۔ لیکن تو ہمت و جرأت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" دادی اور ابو کی ملی جلی آوازیں اس کی سماعت سے ٹکرائی تھیں۔ شاذلہ نے ایک بار پھر بے چین ہو کر اپنی آنکھیں کھولی تھیں اور بے ساختہ ہی اس کی نظریں اپنے ہاتھوں پر تھم گئیں۔ گورے گورے خوب صورت ہاتھوں میں انتہائی دیدہ زیب مہندی کل رات ہی اس کی سہیلی نے لگائی تھی جب کہ جیولری پر اس نے مہندی چھپانے کی غرض سے موزے وغیرہ رکھے تھے۔ بڑی سی کالی چادر میں اپنا آدھا چہرہ چھپائے وہ اپنے وجود سے اٹھتی مہندی اور حنا کی خوشبو کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ سیاہ لیدر کا چھوٹا سا سفری بیگ اس نے اپنی گود میں بے حد سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ کئی مسافروں کے لیے وہ بھی ایک دلچسپ ہستی بنی ہوئی تھی۔ اس کے بالکل برابر میں ایک انتہائی ماڈرن سی لڑکی نخوت بھرے انداز میں میگزین بینی کر رہی تھی۔ شاذلہ نے چاہا کہ اس سے تھوڑی سی بات کرلے لیکن اس کا انداز روکھا پھیکا انداز دیکھ کر اس کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ اس کے پاس بھی تقریباً ایسا ہی جیسا سفری بیگ تھا۔ سامنے بیٹھی عورت مسلسل اسے اپنی بٹن جیسی آنکھوں سے گھورے جا رہی تھی جب کہ اس کے شوہر کے ساتھ بیٹھا لڑکا جو شاید اس کا بھتیجا یا بھانجا تھا انتہائی آوارہ انداز میں اسے اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سفید نیکر جو اب پیلی ہو چکی تھی اس کے اوپر سرخ پھولوں والی شرٹ کے ساتھ پیلا اسکارف گلے میں ڈالے وہ شاذلہ کو دیکھ کر کبھی اپنے تیل میں تر بتر بالوں پر انگلیاں چلانے لگتا تو کبھی بڑے اسٹائل سے اپنا موبائل نکال کر موبائل فون بجانے لگتا۔ شاذلہ اس عجیب و غریب چیز کو دیکھ کر اور زیادہ ذہنی اذیت و کوفت کا شکار ہو جاتی۔

"سنو لڑکی! کیا اکیلے کہیں جا رہی ہو؟" وہی عورت تفتیشی انداز میں اس سے استفسار کر رہی تھی۔

"جی ہاں! میں لاہور اپنے چاچا کے گھر جا رہی ہوں اور اکثر اکیلے ہی سفر کرتی ہوں کیوں کہ میں پڑھائی کے سلسلے میں وہیں رہتی ہوں۔" شاذلہ انتہائی روکھائی سے پہلے سے سوچا ہوا جملہ کافی تفصیل کے ساتھ بولی تاکہ وہ کوئی اگلا سوال نہ کرے۔ اس کا سرد رویہ دیکھ کر وہ عورت منہ بنا کر اپنے بچے کی طرف متوجہ ہوگئی جو ایک نیا شر نکالنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اڑ کر لاہور پہنچ جائے یہ نہیں تھا کہ وہ ٹرین میں پہلی بار سفر کر رہی تھی اس سے پہلے بھی وہ اپنے بابا اور دادی کے ساتھ ملتان اپنی پھوپو کے گھر گئی تھی لیکن یوں اکیلے بنا کسی محافظ کے اور اتنے بدترین حالات میں وہ پہلی بار جا رہی تھی۔ ٹرین رات کے کسی پہر کسی اسٹیشن پر رکی تھی پلیٹ فارم پر بھانت بھانت کی بولیاں بولتے لوگ اپنی اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھے پھیری والے "چائے گرم" "کھانا گرم" کی آوازیں لگا رہے تھے۔ ٹرین تھوڑی دیر رک کر پھر اپنی منزل مقصود کی جانب چل پڑی تھی۔ مسافر اب اپنے اپنے ٹفن بکس کھول رہے تھے۔ ٹرین کے ڈبے میں کھانے کی خوشبو محسوس کرتے ہوئے اسے یاد آیا کہ کل رات سے ایک نوالہ بھی اڑ کر اس کے منہ میں نہیں گیا تھا۔ اسے یک دم سخت بھوک کا احساس ہوا۔ اس نے بیگ کھول کر اپنا ٹفن بکس نکالا جو چلتے وقت امی نے اس کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ کچھ یاد آنے پر اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا پھنس گیا۔ اس نے بمشکل کچھ نوالے حلق سے نیچے اتارے۔ خدا کی

کر کے ملتان اسٹیشن آ گیا تھا اب لاہور زیادہ دور نہیں تھا۔ زیادہ تر مسافر اونگھ رہے تھے جب کہ اس کے برابر میں بیٹھی لڑکی ریلیکس انداز میں آنکھیں موندے بیٹھی تھی یا پھر شاید سو رہی تھی شاذلہ [illegible]۔ صد شکر کہ وہ عورت اپنے پانچ بچوں اور اس بچے کو لے کر اپنے شوہر کے ہمراہ ملتان اسٹیشن پر اتر گئی تھی لیکن جاتے جاتے ایک شکوک بھری نگاہ اس پر ڈالنا نہ بھولی تھی جسے محسوس کر کے شاذلہ اندر ہی اندر کھول کر رہ گئی پھر بالآخر یہ پل صراط کی مانند سفر تمام ہوا۔ ٹرین اب لاہور اسٹیشن کے احاطے میں داخل ہونے ہی والی تھی تمام مسافر جلدی جلدی اپنا سامان پیک کر رہے تھے اسی اثنا میں وہی ہم سفر لڑکی پہلی بار شاذلہ سے مخاطب ہوئی۔

"ذرا میرے بیگ کا دھیان رکھیے گا میں واش روم سے فریش ہو کر آتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ لڑکی یہ جا وہ جا جب کہ شاذلہ صرف منہ کھولے ہی رہ گئی۔ وہ جلد از جلد ٹرین سے اتر جانا چاہتی تھی لیکن اتنی ہی دیر ہو رہی تھی۔ اس لڑکی نے اسے کچھ بھی بولنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ ڈبے میں ایک عجب بوکھلاہٹ سی مچی ہوئی تھی۔ وہ انتہائی کوفت زدہ سی بیٹھی اس لڑکی کا انتظار کر رہی تھی جو آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اسی اثنا میں دو پولیس والے اور ان کے ساتھ ایک لیڈی پولیس ڈبے میں داخل ہوئے اور ایک طائرانہ نگاہ پورے ڈبے پر ڈالی لیکن یک دم ان کی نگاہ شاذلہ کے گھبرائے ہوئے چہرے پر آ کر رک گئی اب وہ تینوں اسی کی طرف آ رہے تھے اور یہاں شاذلہ کا خون خشک ہوا جا رہا تھا۔ "اوہ تو بابا نے پولیس کو میرے پیچھے لگا دیا۔" انتہائی گھبرا کر وہ فقط اتنا ہی سوچ سکی۔

"بی بی! یہ تمہارا سامان ہے۔" لیڈی کانسٹیبل اپنی کرخت آواز میں آنکھیں نکال کر بولی۔ شاذلہ انتہائی دقتوں سے بولی۔

"جی..... یہ..... میرا بیگ ہے۔" اس نے اپنی گود میں دھرا بیگ اٹھاتے ہوئے کہا اور سیٹ پر رکھے بیگ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "یہ بیگ ایک لڑکی کا ہے جو واش روم میں گئی ہے۔" وہ جلدی سے بولی۔

"ہوں! وہ کون لڑکی ہے جو واش روم میں گئی ہے؟" انسپکٹر نے اپنی بھاری آواز میں اس سے استفسار کیا۔

"جی میں تو اسے نہیں جانتی وہ سفر میں میرے برابر کی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی ابھی کچھ دیر پہلے مجھ سے کہہ کر گئی ہے کہ میں اس کے بیگ کا خیال رکھوں وہ فریش ہو کر آتی ہے۔" شاذلہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔ ڈبے میں موجود اکا دکا مسافر بڑی حیرت سے یہ سین ملاحظہ کر رہے تھے۔

"کریم! واش روم جا کر چیک کرو۔" انسپکٹر نے اپنے ماتحت کو حکم دیا۔

"جی سر!" وہ انتہائی سرعت سے گیا پر تھوڑی ہی دیر میں واپس آ گیا۔

"سر! وہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

"کیا؟" شاذلہ بری طرح سے دہل گئی۔ "اف خدایا! یہ میں کس مصیبت میں پھنس گئی....." وہ متوحش سی ہو کر خود سے بولی۔

"مس نگار! آپ یہ دونوں بیگ چیک کریں۔" وہ انسپکٹر بولا تو لیڈی کانسٹیبل نے انتہائی تیزی سے دونوں بیگوں کو کھولا۔ شاذلہ کے بیگ کو الٹایا تو اس میں سے تین جوڑے کپڑے کھانے کا ٹفن دس ہزار نقدی اور ایک خاکی لفافہ برآمد ہوا پر جب اس لڑکی کا بیگ الٹایا تو بے تحاشا نیکلس اور جیولری کا سامان برآمد ہوا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک چھوٹا سا پیکٹ

جو بیگ میں بنی ایک خفیہ پاکٹ میں موجود تھا وہ بھی برآمد ہوا۔

"سر نی بل کی ہوری مطلوبہ چیز اطلاع بالکل صحیح تھی۔" وہ لیڈی کانسٹیبل انتہائی فاتحانہ انداز میں بولتے ہوئے سفید پاؤڈر کا پیکٹ انسپکٹر کو دکھا رہی تھی جب کہ حیرت کی زیادتی سے شاوانہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ اس سے ایک بھی لفظ اس سے بولا نہ گیا۔

"چلیے میڈم ذرا تھانے کی بھی تھوڑی سی سیر کر لیں۔" انسپکٹر انتہائی استہزائیہ انداز میں اس کے مہندی سے بھرے ہاتھوں کو گھورتے ہوئے بولا۔ یک بیک شاوانہ کے پتھر بنے جسم میں جان آ گئی۔

"مم.... میرا یقین کیجیے سر یہ میرا بیگ نہیں ہے وہ تو.... وہ تو اس لڑکی کا تھا....." شاوانہ سیٹ کی جانب انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بولی جیسے وہ لڑکی ابھی بھی وہاں بیٹھی ہو۔

"چلو بی بی اب یہ ڈرامہ ختم کرو۔" یہ کہہ کر لیڈی کانسٹیبل نے انتہائی سختی سے اس کی نازک کلائی پکڑی اور اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے اسٹیشن کے باہر لائی۔ نہ جانے کتنی ہی آنکھوں نے یہ منظر انتہائی حیرت و استعجاب اور دلچسپی سے دیکھا تھا جب کہ شاوانہ کانپتے دل کے ساتھ سوچ رہی تھی کہ اتنی تذلیل اٹھانے سے پہلے وہ مر کیوں نہ گئی اور نہ جانے ابھی کتنی ذلت اور رسوائیاں اس کی راہ تک رہی ہیں۔

❁❁❁

"گڈ مارننگ نانو!" سفید کلف دار شلوار کرتا پہنے فریش فریش سا اور انتہائی خوش گوار موڈ میں وہ لاؤنج میں داخل ہوا جہاں ناشتے کی ٹیبل پر نانو، زویا اور فراز اسی کا انتظار کر رہے تھے۔

"ارے واہ بھیا آج تو آپ بڑے ہینڈسم لگ رہے ہیں۔" فراز اپنے مخصوص انداز میں شوخی سے بولا۔

"تھینکس برادر۔" داور ایک جاندار مسکراہٹ سے بولا پھر یک دم اس کی نگاہ منہ پھلائے بیٹھی زویا پر پڑی جس نے ایک نظر بھی اس کے اوپر نہیں ڈالی تھی۔

"نانو! لگتا ہے آج موسم خاصا خراب ہے۔ گھن گرج کے ساتھ اولے پڑنے کا بھی امکان ہے۔" زویا کے روٹھے چہرے کو دیکھ کر وہ نانو کے کان میں باآواز بلند سرگوشی کرتے ہوئے بولا تو جیسے زویا نے ضبط کا دامن ایک لخت اپنے ہاتھوں سے چھوڑ دیا اور پھٹ پڑی۔

"نانو! بھیا سے کہہ دیجیے کہ مجھ سے بات کرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے ورنہ میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔" زویا کا انتہائی جارحانہ انداز دیکھ کر نانو اور فراز پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"کیا ہوا زویا! داور پر اتنا غصہ کس بات پر آ رہا ہے؟" نانو حلاوت آمیز لہجے میں بولیں تو یک لخت اس کے ذہن کے پردے پر گزشتہ رات والا منظر آ گیا۔ کتنے جوش و خروش سے وہ اپنی سہیلیوں کی بہنوں اور کزنز کی تصویروں کو اکٹھا کر کے داور کو دکھانے کے لیے لائی تھی کہ کسی ایک کو پسند کرے اور اس کے لیے بھابی لے آئے لیکن داور نے ان تصویروں کی شان میں جو قصیدہ خوانی کی تھی اسے سن کر وہ سخت مشتعل ہوئی اور کمرے سے پیر پٹختے ہوئے واک آؤٹ کر گئی تھی۔ "نانو! بھیا نے میری اتنی محنت سے جمع کی ہوئی تصویروں کی وہ درگت بنائی کہ بس کچھ مت پوچھیں۔" زویا ابلتی آنکھوں سے داور کو دیکھ کر رقت آمیز لہجے میں بولی۔ اپنی جان سے عزیز چھوٹی بہن کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ سخت بے چین ہو گیا۔

"آئم سوری زویا جان! میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ میں تو یوں ہی مذاق کر رہا تھا۔" داور اسے پچکارتے ہوئے بولا۔

"تو سوری آپ نے ان تصویروں کی توہین کی ہے۔" وہ ہونٹ منہ پھلا کر بولی البتہ دل ہی دل میں داور کے سوری کہنے پر وہ اپنی ناراضگی ختم کر چکی تھی لیکن ابھی داور سے اسے کچھ اور مطالبات منوانے تھے جس کے لیے فی الحال ناراضگی برقرار رکھنا ضروری تھا۔

"اچھا میں کل رات کے اپنے تمام الفاظ واپس لیتا ہوں جو تصویریں دیکھ کر میں نے بولے تھے۔" داور نے اسے منانے والے انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن میری دو شرائط ہیں۔" وہ فوراً اپنے مطلب پر آ گئی۔

"دیکھا بھیا! آ گئی نا اپنی لائن پر۔" فراز نے حقیقت داور کے سامنے رکھی تو زویا کچھ چڑ سی ہو کر بولی۔

"بھیا دیکھیے یہ پلیز بھائی کو....." جب کہ داور نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

"فراز! تم خاموش رہو۔" وہ مصنوعی غصے سے بولا جب کہ نانو ان تینوں کی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہی تھیں۔ یہ تینوں بچے ان کی اکلوتی بیٹی شاہدہ کے تھے جو دس سال پہلے اپنے شوہر احمد شیرازی کے ساتھ ایک فضائی حادثے میں انتقال کر گئی تھیں۔ اس وقت تینوں بچے بہت چھوٹے تھے۔ سجیدہ بیگم نے ان تینوں کو اپنی شفیق بانہوں میں سمیٹ لیا تھا۔ وہ ان بچوں کے لیے ایک وقت ماں باپ دونوں ہی سب ہی بن گئی تھیں جب کہ تینوں بچے بھی ان سے بے تحاشا پیار کرتے تھے۔

"وہ اینجل ہی بھیا میرے کالج میں ایک نئی لیکچرار آئی ہیں..... زویا فرسٹ ایئر کی طالبہ تھی جب کہ فراز گریجویشن کے آخری سال میں تھا۔ "آپ پلیز انہیں ایک بار دیکھ لیجیے....." زویا لجاجت سے بولی۔

"اوہ نو ناٹ اگین۔" داور بے بسی سے بڑبڑا کر رہ گیا۔ "او کے گڑیا دیکھ لوں گا۔" داور نے فی الحال زویا کو ٹالتے ہوئے کہا۔

"ہائے سچ بھیا....." وہ بے تحاشا خوش ہو گئی۔

"زرینہ جلدی سے بھیا کے لیے آملیٹ بنا کر لاؤ۔" وہ ملازمہ کو آواز دے کر بولی۔ داور اس کا بچپنا دیکھ کر مسکرا دیا۔

"داور بیٹا آج تمہاری ڈیوٹی نہیں ہے۔" سجیدہ بیگم نے اسے یوں فرصت سے بیٹھا دیکھ کر استفسار کیا ورنہ تو وہ ناشتہ بھی بھاگم بھاگ کرتا تھا۔

"نہیں نانو آج میرا آف ہے لہٰذا آج کا سارا دن میں آپ کے ساتھ گزاروں گا۔" وہ نانو کے گلے میں بانہیں ڈال کر لاڈ سے بولا۔

"تو ہم بھی آج چھٹی کر لیتے ہیں۔" زویا اور فراز دونوں ایک ساتھ بولے۔

"ہرگز نہیں تم لوگوں کی پڑھائی کا حرج ہوگا۔" داور رعب سے بولا اسی دم کوئی داخلی دروازہ کھول کر بڑی تیزی سے اندر آیا جسے دیکھ کر زویا کھل اٹھی۔

"ہائے مدحا..... تم! میں ابھی تمہیں ہی یاد کر رہی تھی۔" زویا انتہائی جوش سے اپنی کرسی سے اٹھ کر جھٹ سے مدحا کے گلے لگ گئی۔

"لو آ گئیں محترمہ مع اپنے سامان۔" فراز نے مدحا کے ساتھ موجود بیگ کو دیکھ کر اس پر چوٹ کی حالانکہ وہ اندر سے بہت خوش ہوا تھا لیکن چہرے پر بھرپور بیزاری طاری کی ہوئی تھی۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے یہ گھر تمہارا نہیں میرے چاچا کا ہے۔ میرا جب دل چاہے گا میں یہاں آؤں

کی۔" وہ سب تو قع بھڑک اٹھی اور انتہائی تنفر سے کر
بولی۔
"فراز بھائی! آپ پلیز خاموش رہیے۔" زویا
بیزاری سے بولی ورنہ دونوں کے درمیان پھر سے
مہابھارت شروع ہو جاتی۔ مدحا تائو اور داور کو سلام
کر کے وہیں براجمان ہو گئی۔
"ایک تو تم ہر دوسرے دن آ دھمکتی ہو وہ بھی صبح ہی
صبح ناشتہ کرنے چلی۔" فراز نے مدحا پر ایک اور وار کیا۔
"تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ ڈیڈی مجھے
آفس جاتے وقت یہاں چھوڑ دیتے ہیں اور میں اتنی
صبح صبح ناشتہ نہیں کرتی۔" وہ دانت کچکچا کر بولی۔
"فراز یہ مدحا کا بھی گھر ہے۔ اس کا جب دل
چاہے وہ یہاں آ سکتی ہے۔" تائی جان بیچ
میں بولیں تو فوراً ہی مدحا کی گردن اکڑ گئی۔ اسی دم داور
کے موبائل کی بپ بجی۔
"ہیلو۔۔۔ ہاں عثمان کیا بات ہے؟" داور بارعب
لہجے میں بولا پھر چند منٹ مقابل کی بات سن کر وہ
تیزی سے بولا۔ "اوکے میں ابھی آتا ہوں۔" داور
ٹیبل میں اپنی سیٹ سے اٹھا جب کہ سب کے
چہرے لٹک گئے۔
"بھیا آپ جا رہے ہیں؟" زویا ناراضی سے
بولی۔
"ایک بہت اہم کیس آ گیا ہے مجھے جلد از جلد
جانا ہے۔ آئی ایم سوری گرلز۔" وہ تیزی سے بول کر
اپنے کمرے میں تیار ہونے چلا گیا۔

✿✿✿

"میں آپ لوگوں سے سو بار کہہ چکی ہوں کہ وہ
بیگ میرا نہیں ہے نہ ہی اس لڑکی سے میرا کوئی
تعلق ہے۔ پلیز آپ لوگ میرا یقین کیجئے، میں سچ
کہہ رہی ہوں۔" شاذلہ زار و قطار روتے ہوئے
بولی۔
"دیکھو حسینہ! ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش
مت کرو تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم ہمیں سب
کچھ سچ سچ بتا دو ورنہ ابھی ایس پی صاحب آنے ہی
والے ہیں اور تم شاید یہ نہیں جانتی کہ وہ تم جیسی خوب
صورت پریوں کے ساتھ کیا سلوک کر کے ان سے سچ
اگلواتے ہیں۔ ہم تو صرف تمہارے ساتھ زبان کا
استعمال کر رہے ہیں مگر وہ تمہارے ساتھ ایسا طریقہ
استعمال کریں گے کہ تم اپنے آپ کو بھی پہچاننے سے
انکار کر دو گی۔" لیڈی انسپکٹر خالدہ انگلی سے اس کی
ٹھوڑی اوپر کرتے ہوئے انتہائی سختی سے
بولی۔ شاذلہ کی تو جیسے روح کانپ اٹھی۔
"میڈم! آپ اس کے ہاتھوں میں مہندی
دیکھ رہی ہیں۔" کانسٹیبل نگار نے اس کے موزے
بھی اتروا لیے تھے۔
"مجھے لگتا ہے کہ یہ کوئی بہت بڑا فراڈ کر کے بھاگی
ہے۔" وہ دور کی کوڑی لائی۔
"یااللہ! یہ سب میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ میں
نے صرف تیری رضا پانے اور اپنی عزت بچانے کے
لیے اپنا گھر چھوڑا تھا تو میری مدد کر مجھے اس آفت
سے چھٹکارا دلا دے۔ اپنی اس وسیع و عریض کائنات
میں مجھے تھوڑی سی زمین اور تھوڑا سا آسمان دے
دے تاکہ میں عزت کے ساتھ زندہ رہ سکوں ورنہ
مجھے ابھی اور اسی وقت موت دے دے۔" اس نے
تڑپ کر اپنے دل میں اللہ کو پکارا تھا۔ دکھ و رنج اور
توہین و اہانت کے احساس سے اس کا برا حال تھا۔ رو
رو کر اس نے اپنی آنکھیں سجا لی تھیں لیکن کسی کو بھی
اس پر رحم نہیں آ رہا تھا اور نہ ہی کوئی اس کی بات پر
یقین کرنے کو تیار تھا۔
"میڈم ایس پی صاحب آ گئے۔" کسی نے

...ل آفس میں آ کر اطلاع دی۔ انسپکٹر خالدہ
...سمیت تمام اسٹاف بالکل الرٹ ہو گیا جب کہ شاذلہ کا
...ل ہو کے پتے کی طرح کانپنے لگا۔ ہاتھوں پیروں سے
...جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ کوئی بہت بارعب
...دبے کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا۔ انسپکٹر خالدہ
...سمیت سب ہی نے اسے سلیوٹ کیا۔
"سر یہ لڑکی ہمیں لاہور اسٹیشن سے ٹرین میں
...ڈ کلاس کے ڈبے میں اس بیگ سمیت ملی ہے
...میں سے آدھا کلو کے قریب ہیروئن کا پیکٹ
...ہوا ہے۔" انسپکٹر خالدہ انتہائی مستعدی سے
...لیں۔
"ہوں۔" ایس پی صاحب نے ہنکارا بھرا
...ت کہ شاذلہ زمین میں نگاہیں گاڑے اپنے
...پاتے جسم کو خود میں گم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
"اس وقت ڈیوٹی پر کون تھا؟" انتہائی کرخت
...مرے میں گونجی۔
"سر! ابھی انسپکٹر عثمان اور حوالدار کرم داد تھے۔"
...ٹیبل نگار جلدی سے بولی۔
"ٹھیک ہے آپ سب جائیں اور انسپکٹر عثمان کو
...رے پاس بھیجئے۔"
"جی سر!" کمرہ لمحوں میں ہی خالی ہو گیا۔ ایس پی
...کر اس کے عین مقابل آ کھڑا ہوا جب کہ شاذلہ
...نگاہیں جھکائے کھڑی تھی۔ اسے صرف مقابل
...سیاہ بوٹ ہی نظر آ رہے تھے جب کہ داور بڑی
...ک بینی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ عام سے
...رنگ کے سوٹ میں بڑی سی کالی چادر اپنے
...ے کانپتے جسم پر اچھی طرح سے لپیٹے پورا منہ
...جھکائے کھڑی تھی۔ داور نے اپنی اسٹک کی مدد
...اس کی ٹھوڑی کو اونچا کیا تھا۔ چہرہ اب بالکل
...تھا جو آنسوؤں سے پوری طرح بھیگا ہوا تھا۔
"دیکھئے میڈم! آپ سیدھی طرح سے ہمیں سچ
سچ بتا دیں کہ وہ پیکٹ آپ کس کے پاس لے کر
جا رہی تھیں؟" ایس پی داور احمد کافی سخت لہجے میں
بولا۔ شاذلہ نے انتہائی بے بسی سے اس کی جانب
دیکھا تھا۔
"سر پلیز! میرا یقین کیجئے میں اس بیگ اور اس
پیکٹ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی وہ تو ایک
لڑکی۔۔۔" ایس پی داور نے یک لخت انتہائی زور
سے اسٹک کرسی پر ماری تھی۔ شاذلہ کی تو جیسے چیخ ہی
نکل گئی۔ بات بھی درمیان میں ہی رہ گئی۔
"دیکھو لڑکی میں تم سے بہت نرمی سے بات کر رہا
ہوں ورنہ مجھے حلق سے بات نکلوانا بھی بخوبی آتا
ہے۔" ایس پی داور پراسرار لہجے میں بولا تو شاذلہ نے
انتہائی خوف زدہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ مارے
نقاہت اور کمزوری کے اس سے اب کھڑا بھی نہیں ہوا
جا رہا تھا۔ وہ زمین پر بے دم سی ہو کر بیٹھتی چلی گئی اسی
دم انسپکٹر عثمان اندر داخل ہوا اور تمام رپورٹ اس کے
سامنے پیش کر دی۔
"تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ تم ہمیں سب
کچھ بتا دو تم کہاں سے آئی ہو تمہارا گھر کہاں ہے اور
وہ لڑکی تمہیں کہاں ملی تھی؟" انسپکٹر عثمان کی تمام بات
سن کر ایس پی داور کچھ سوچتے ہوئے شاذلہ سے بولا تو
شاذلہ نے اس سے اپنے مفلوج ہوتے ذہن کے
ساتھ سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا لیکن یک دم ایک
خیال ذہن میں کوندا۔
"اگر میں نے انہیں سب کچھ بتا دیا تو ہو سکتا ہے
کہ یہ انسپکٹر مجھے تایا کے حوالے کر دے اور۔۔۔" داور
بہت غور سے اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ
رہا تھا۔ کچھ سوچتے سوچتے یک دم اس کے چہرے پر
گھبراہٹ و خوف کے آتے رنگ اس کی زیرک

نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکے۔

"میں نے آپ لوگوں سے کتنی بار کہا ہے کہ وہ لڑکی ٹرین میں میرے ساتھ سفر کررہی تھی اور ہمارے درمیان کوئی بھی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔" وہ سخت جھنجلا کر بولی۔

"تو تم کہاں سے آئی ہو تمہارا گھر کہاں ہے اور یہاں اکیلے لاہور کس کے پاس آئی ہو؟" انسپکٹر عثمان انتہائی تیکھے انداز میں بولا۔

"وہ..... میں ملتان میں رہتی ہوں اور میرے والدین اس دنیا میں نہیں ہیں۔" یہ جھوٹ بولتے ہوئے اس کے دل میں آرے چل گئے۔ "میں اپنی رشتے کی خالہ کے پاس ملتان میں رہ رہی تھی مگر پچھلے دنوں وہ بھی فوت ہوگئیں۔ اب میں اپنی رشتے کی دادی کے پاس لاہور آئی تھی۔" شانزہ انتہائی سنجیدگی سے بولی۔ ایس پی داور نے اس کی بنائی ہوئی من گھڑت کہانی پر ایک فی صد بھی یقین نہیں کیا۔ وہ انتہائی درشتی سے بولا۔

"کہاں ہے تمہاری رشتے کی دادی کا گھر؟"

"ان کا ایڈریس میرے بیگ میں ہے۔" شانزہ جلدی سے بولی۔ انسپکٹر عثمان نے اس کے بیگ سے مڑا تڑا ہوا لفافہ داور کے سامنے کردیا۔ داور نے جوں ہی لفافہ کھول کر ایڈریس پڑھا اسے ہزار والٹ کا شاک لگا۔ اس نے انتہائی حیرت سے شانزہ کے بدحواس چہرے پر نگاہ ڈالی پھر اچانک ایک سوچ ذہن میں آتے ہی وہ مطمئن سا ہوگیا۔

"ہوں..... جتنی شاطر اور چالاک تم ہو اتنی چہرے سے لگتی نہیں ہو۔" داور زہریلے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ اسے یقین ہوگیا کہ اس فراڈ لڑکی نے اس کا ایڈریس لکھ کر اپنے بچاؤ کی اور اسے پھنسانے کی کوشش کی ہے۔ "یقیناً یہ کوئی بڑی چال ہے۔" داور نے سوچا۔ جب کہ شانزہ بالکل چپ چاپ سی زمین پر بیٹھی ہوئی تھی۔ پوری رات وہ بھوکی پیاسی رہی تھی اور کھانے کے نام پر بھی صرف چند گھونٹ چائے کے حلق سے اتارے تھے۔ انتہائی صدمے اور بےبسی کے احساس سے اس پر غنودگی سی طاری ہورہی تھی۔ صرف ایک لمحے کو اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر داور کے دل میں خیال آیا کہ شاید یہ لڑکی بےقصور ہو لیکن اگلے ہی پل دماغ نے اس خیال کی نفی کردی۔ وہ اس طرح کے کئی ڈرامے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ شانزہ کو انسپکٹر خالدہ کے حوالے کرتے ہوئے بولا۔

"اس لڑکی کو سونے مت دیجئے گا انشاء اللہ جلد ہی سب کچھ اگل دے گی تو ٹھیک ہے ورنہ پھر دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا جو میں کرنا نہیں چاہتا۔" ایس پی داور اس کے سپاٹ چہرے کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے بولا جب کہ شانزہ اپنے چکراتے ذہن کے ساتھ زمین پر ڈھیر ہوتی چلی گئی۔

❁❁❁

رات کھانے سے فارغ ہوکر وہ کسی کیس کی فائل لے کر بیٹھا تو چھم سے دھیان کے پردے پر آنسوؤں سے بھیگا گلابی سا چہرہ لہرا گیا اور وہ یک لخت چونک اٹھا۔ "کتنا معصوم چہرہ تھا اس لڑکی کا۔" وہ بےساختہ اس لڑکی کے بارے میں سوچنے لگا۔ پہلی بار وہ پولیس اسٹیشن میں آنے والی کسی لڑکی کے بارے میں بہت دھیان سے سوچ رہا تھا۔ "ہوسکتا ہے وہ سچ بول رہی ہو اور کوئی دوسری لڑکی اس لڑکی کو پھنسا کر چلی گئی ہو۔" دل نے ایک سرگوشی کی تھی۔ وہ کچھ مضطرب سا ہوگیا۔ "یہ بھی ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ بےقصور ہو۔" ذہن نے بھی اپنی رائے دی تھی۔ اس کا موبائل فون بج اٹھا۔ اسکرین پر انسپکٹر عثمان کا نام جھلملاتے دیکھ کر اس نے سرعت سے سیل کا بٹن پش کیا اور جو کچھ انسپکٹر عثمان نے بتایا وہ داور کو پشیمانی اور ندامت کے سمندر میں دھکیل گیا۔ وہ فوراً پولیس اسٹیشن کی طرف بھاگا تھا۔

"سر ابھی ابھی اسلام آباد پولیس نے ہمیں خبر دی ہے کہ انھوں نے اسلام آباد چیک پوسٹ سے ایک گاڑی کو اپنی حراست میں لیا ہے۔ جس میں ایک لڑکی اور دو مرد سوار تھے جن کے پاس سے بڑی مقدار میں ہیروئن اور چرس برآمد ہوئی ہے۔ ان میں شامل لڑکی نے بتایا کہ وہ لاہور اسٹیشن پر ایک ٹرین میں اچانک پولیس کی ریڈ ہوتے ہی اپنا ایک بیگ ٹرین کے ڈبے میں چھوڑ آئی تھی جس میں آدھا کلو ہیروئن کا ایک پیکٹ موجود تھا۔" انسپکٹر عثمان نے تفصیل بتائی تو گویا وہ لڑکی بالکل بےقصور تھی۔ انسپکٹر عثمان اور انسپکٹر خالدہ اس لڑکی سے شرمندہ تھے جنھوں نے انتہائی پروفیشنل انداز سے اس سے تفتیش کی تھی جب کہ داور اندر ہی اندر ندامت سے بوجھل تھا اور یہ بات اسے اور شرمندگی سے دوچار کررہی تھی کہ وہ لڑکی لاہور اس کے گھر آئی تھی۔ یقیناً گھر کے کسی مکین سے اس کی جان پہچان ضرور ہوگی۔

"مس شانزہ! آئی ایم سوری یقیناً ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی۔ آپ کو ہماری وجہ سے اتنی تکلیفیں اٹھانا پڑیں۔" داور اسے سامنے کرسی پر بیٹھی شانزہ سے انتہائی نادم ہوکر بولا لیکن شانزہ تو جیسے کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔ صبح سے اب تک جو ذہنی اذیتیں اس نے اٹھائی تھیں اس نے اس کے اعصاب کو بری طرح سے توڑ پھوڑ دیا تھا۔

"مس شانزہ! چلیے میں آپ کو آپ کی منزل تک پہنچا دوں۔" داور آہستگی سے بولا۔ شانزہ نے نگاہیں اٹھا کر خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھا ذہن اس سے کسی کاغذ کی طرح بالکل کورا تھا۔ کچھ دیر تو وہ ساکت بیٹھی رہی پھر اچانک کچھ یاد آنے پر وہ تیزی سے اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھی تھی۔ "مس آپ کہاں جارہی ہیں....." داور یہ بولتے ہوئے تیزی سے اس کی جانب بھاگا تھا جو چکرا کر بس زمین پر گرنے ہی والی تھی۔

سخت ذہنی انتشار اور صدمے سے وہ بےہوش ہوگئی تھی۔ داور ساری رات اسپتال کے کاریڈور میں ٹہلتا ہوا اس کے ہوش میں آنے کی دعائیں مانگ رہا تھا اور اندر ہی اندر اپنے آپ کو بھی خوب کوس رہا تھا۔ "کیا تھا جو اگر میں اس نازک سی لڑکی کی باتوں پر یقین کر لیتا۔ اف میں اپنے آپ کو کتنا ذہین اور شاطر سمجھتا تھا لیکن نکلا بالکل صفر ایک بےگناہ کو نہ پہچان سکا۔" اپنے ہونٹ بھینچتے ہوئے داور سے یہ غلطی ہوئی تھی جو بہت سنگین تھی۔ صبح سویرے جب اس کی کنڈیشن بہتر ہوئی تو وہ ڈاکٹرز کو اس کا خاص خیال رکھنے کی ہدایت دے کر گھر لوٹ آیا۔ شانزہ کی جب آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو اسپتال کے ایک روم میں پایا۔ سر ابھی تک چکرا رہا تھا پھر جیسے اسے یاد آیا کہ جب انسپکٹر خالدہ انتہائی غضب ناک تیوروں سے اس سے بازپرس کررہی تھی تو انسپکٹر عثمان کافی گھبرائے ہوئے انداز میں آیا اور انسپکٹر خالدہ کو ایک طرف لے جاکر کچھ بتایا جسے سن کر وہ کچھ پریشان سی ہوگئی پھر دونوں شرمندہ سے اس کے پاس آکر بولے۔ "سوری میڈم ہمیں غلط فہمی ہوگئی تھی اصل لڑکی پکڑی گئی ہے۔" اس نے ان کے لہجے سے خوشی کے ساتھ ان دونوں پر سخت غصہ آیا جو اتنا ایک لفظ سوری بول کر اپنی ہر زیادتی سے بری الذمہ ہوگئے تھے اور جب ایس پی داور اس سے معافی مانگ رہا تھا

تو اس پل وہ اسی جگہ بیٹھے بیٹھے ایک دم ہی بیدار ہو گئی تھی۔ شام تک وہ کافی بہتر ہو گئی تو اس نے یہاں سے جانے کا سوچا۔ وہ جلد از جلد داور کے بتائے ہوئے ایڈریس پر پہنچنا چاہتی تھی۔ وہ تیزی سے بستر سے اٹھی اور میز پر رکھے اپنے بیگ کو اٹھانے لگی لیکن اگلے پل وہ دھک سے رہ گئی۔ ایڈریس والا لفافہ تو اس میں تھا ہی نہیں۔ اس نے چند لمحوں میں پورا بیگ کھنگال ڈالا لیکن لفافہ ہوتا تو ملتا۔ "اب کیا ہوگا؟" کا بڑا سا سوالیہ نشان اس کا منہ چڑا رہا تھا کہ اس پل دروازے پر دستک دے کر ایس پی داور احمد اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر شاذل کا منہ حلق تک کڑوا ہو گیا۔ اس نے انتہائی ناگواری سے منہ دوسری جانب پھیرا تھا۔ پھر بڑی رکھائی سے بولی۔ "میرا ایک لفافہ اس بیگ میں تھا۔" داور نے اس کے اکھڑے اکھڑے انداز کو دیکھا پھر بڑی سہولت سے بولا۔

"آپ کو جس ایڈریس پر جانا ہے وہاں میں آپ کو چھوڑ دیتا ہوں۔" شاذل نے ماتھے پر بے شمار شکنیں سجا کر اسے دیکھا پھر کچھ سوچ کر وہ دوبارہ کپڑے بیگ میں ٹھونس کر بند کر کے اس کے ساتھ چل دی۔ گاڑی ایک انجانی راہ پر سرپٹ بھاگنے لگی۔ شاذل نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے داور کو استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"جی ہاں یہی آپ کا مطلوبہ گھر ہے۔" داور نے ایک مرتبہ اس کی نظروں کا مفہوم پڑھتے ہوئے کہا۔ شاذل گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر باہر آئی اور بڑی سرعت سے بیل کا بٹن دبا دیا۔ داور کو بھی اپنے پیچھے آتے دیکھ کر وہ انتہائی تیکھے انداز میں بولی۔

"آپ پلیز جائیں میں خود اندر چلی جاؤں گی۔" اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا چوکیدار نے دروازہ کھولا۔

"مجھے تہمینہ خاتون سے ملنا ہے۔" شاذل فوراً چوکیدار کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی تھی جب کہ چوکیدار بڑی پریشانی سے جاگتے والے انداز میں داور کو دیکھ رہا تھا۔

"انہیں اندر لے جاؤ۔" داور کو دیکھ کر وہ ایک دم اس نے سیدھا ہو کر اندر آنے کے لئے راستہ چھوڑا۔ شاذل، چوکیدار کے رویے پر کچھ حیران ہوتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ سامنے ہی وسیع و عریض لان میں اسے کچھ لوگ آپس میں کھلکھلاتے ہوئے نظر آئے۔ جن کے درمیان ایک ضعیف خاتون بھی موجود تھیں۔

"شاید یہی تہمینہ خاتون ہیں۔" وہ قیاس کرتے ہوئے خود سے بولی جب کہ اس دوران لان میں بیٹھے سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے لیکن..... ؟ وہ ابھی جگہ بھی نہ ہوئی ایک پیاری سی نوعمر لڑکی بڑی تیزی سے اس کے قریب آ گئی تھی اس کے عقب میں کھڑے ایس پی داور کے شانے سے لگ کر بڑے تعجب سے پوچھ رہی تھی۔

"بھیا! یہ لڑکی کون ہے؟"

"اوہ تو یہ ایس پی داور کا گھر ہے۔" یہ سوچ کر اس کے ذہن میں بری طرح جھنجھنا گئی تھی۔

"نانی! یہ محترمہ مجھ سے کوئی ایڈریس پوچھ رہی تھیں جو وہاں کے ہی گھر کا تھا لہٰذا میں انہیں یہاں لے آیا۔" وہ انجانی عبارت سے جھوٹ بول کر اندر کی طرف چلا گیا جب کہ شاذل کو اب یقین ہو چلا تھا کہ یہ گھر اب اس کی پناہ گاہ بھی نہیں ہو سکتا۔ داور نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ اسے بھولی نہیں تھی۔

"ارے بیٹی وہاں کیوں کھڑی ہو یہاں میرے پاس آؤ۔" وہ خاتون انتہائی حلاوت آمیز لہجے میں بولیں تو وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ان کے قریب آ گئی اور بڑے ادب سے سلام کیا۔

"کیا آپ ہی بیگم وقار ہیں؟" وہ انتہائی مودبانہ انداز میں بولی سامنے بیٹھی شخصیت نے جوں ہی اثبات میں سر ہلایا تو یک دم شادانہ کا دل چاہا کہ وہ ان کے گلے لگ کر بے تحاشا روئے جو اس کی دادی کی عزیز ترین سہیلی تھیں۔

"میں نسیم بانو کی پوتی ہوں شادانہ۔"

"کیا تم نسیم کی پوتی ہو، منیر حسین کی بیٹی؟" نانو جوڑوں کا درد بھلا کر ایک جھٹکے سے اٹھیں اور انتہائی خوشی سے بولیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا تو انہوں نے جھٹ سے اسے اپنے سینے سے لگالیا۔

"ارے نسیم کی پوتی اتنی بڑی اور خوب صورت ہوگئی۔" وہ محبت سے پُرجوش لہجے میں بولیں۔ فراز، زویا اور مدحا بڑی دلچسپی سے یہ منظر ملاحظہ کر رہے تھے۔

"تم اکیلی آئی ہو بیٹی۔" نانو کا یہ سوال اس کے ذہن پر تیزاب چھڑک گیا۔ ایک اذیت کی لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔

"ہم... مجھے آپ سے تنہا اکیلے میں بات کرنی ہے۔" شادانہ سنجیدگی سے بولی جب کہ بیگم وقار اندر سے بری طرح کھٹکیں ضرور کوئی بہت خاص بات ہے جس کے کارن نسیم بانو نے اپنی پوتی کو یوں اکیلے بھیج دیا۔ وہ دل میں سوچتے ہوئے بولیں۔

"چلو آؤ ہم اندر چلتے ہیں۔" وہ اسے اپنے جلو میں لیے اندر چلی گئیں جب کہ وہ تینوں ہونقوں کی طرح کھڑے انہیں جاتے دیکھتے رہ گئے۔

❀❀❀

"ابھی ہم بابا کو پوری طرح سے رو بھی نہیں سکے تھے کہ اتنی بڑی آفت ہمارے سروں پر آگئی۔ لالہ اور دادی نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر صرف میری ناموس کو بچانے کی خاطر مجھے تنہا یہاں بھیج دیا۔ میں پھوپو کے پاس ملتان نہیں جاسکتی تھی کیوں کہ وہ لوگ وہاں بھی پہنچ جاتے اس لیے دادی نے مجھے آپ کے پاس بھیج دیا۔" شادانہ رقت آمیز لہجے میں بولی۔

"بہت اچھا کیا جو نسیم نے تمہیں میرے پاس بھیج دیا۔ نسیم تو مجھے اپنی بہنوں کی طرح عزیز ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس نے بھی مجھے اپنا سمجھا۔ بس اب تم بھی فکر نہ کرو اپنا گھر سمجھو اور تمام خوف دل سے نکال پھینکو۔ تم یہاں بہت محفوظ ہو۔" سنجیدہ خاتون اپنائیت بھرے لہجے میں بولیں۔

"لیکن آنٹی آپ یہ بات کسی کو مت بتائیے گا کہ میں یہاں کس وجہ سے آئی ہوں۔"

"لیکن بیٹا..." انہوں نے کچھ کہنا چاہا۔

"پلیز آنٹی مجھ سے وعدہ کیجیے کہ یہ بات صرف ہم دونوں کے درمیان رہے گی۔ میرے گھر والوں کے بعد آپ وہ واحد ہستی ہیں جنہیں میری باتوں پر یقین ہو سکتا ہے اور دل کو میری باتوں پر یقین نہ آئے۔" اس کا اشارہ دور کی طرف تھا وہ اس سے سخت بدگمان تھی۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔" نانو نے اسے خوف زدہ دیکھ کر جواب دیا۔ "لیکن یہ کیا تم مجھے آنٹی کہہ رہی ہو۔ سب مجھے نانو کہتے ہیں تم بھی مجھے نانو ہی کہو۔" وہ پیار بھری سرزنش کرتے ہوئے بولیں تو وہ مسکرادی۔

"ٹھیک ہے نانو جیسا آپ کہیں۔"

"اچھا یہ بتاؤ تم فریش ہو جاؤ پھر میں تمہیں سب سے ملواتی ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے ملازمہ کو آواز دی۔ وہ ملازمہ کی معیت میں گیسٹ روم میں آگئی جہاں پہلے سے ہی اس کا بیگ موجود تھا۔ وہ دیر تک یونہی شل انداز میں بیٹھی رہی پھر اپنا ایک سوٹ بیگ سے نکال کر نہانے کی غرض سے باتھ روم میں چلی گئی۔

"سمجھ آیا میری کتنی نسیم کی پوتی ہے جس کا میں ہر وقت تم لوگوں سے ذکر کرتی رہتی ہوں۔ یہ کچھ دنوں کے لیے یہاں مجھ سے ملنے آئی ہے۔" نانو نے تعارف کی رسم نبھائی اور انتہائی جھجکتے انداز میں اس کے یہاں آنے کا جواز بتایا جب کہ فراز سمجھ گیا کہ اصل بات کو چھپا گئی ہیں البتہ یہ سن کر مدحا اور زویا بہت خوش ہوگئیں کیا انہیں یہ نازک سی لڑکی پہلی ہی نگاہ میں بہت اچھی لگی تھی اب وہ اس کے دائیں بائیں بیٹھیں اس سے اوٹ پٹانگ سوالات کر رہی تھیں جن کا وہ مسکرا مسکرا کر جواب دے رہی تھی۔ فراز بھی اب حسب عادت ان کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"شادانہ باجی اور درخت پر چڑھنے کی مجھے آتی ہے ایک مرتبہ... وہ تو شکر تھا کہ دادا بھیا مجھے فوراً ہسپتال لے گئے ورنہ سر پر چوٹ لگنے سے مجھے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔" دور کے نام پر شادانہ کے مسکراتے لب یک لخت بھینچ گئے۔ زویا اپنے بچپن کا یہ واقعہ اس کے سامنے بڑے ذوق و شوق سے سنا رہی تھی۔

"آپ نے بھی درخت پر چڑھ کر پھل توڑے ہیں؟" زویا نے خاصا احمقانہ سوال کیا لیکن شادانہ کو ایک دم اپنے آنگن میں لگا جامن کا درخت یاد آگیا جس کے سائے میں بیٹھ کر وہ اپنی دوپہر گزارتی تھی۔

"تم اور تمہاری کتنی دور تو ہیں ہی بندریا درختوں پر ادھر ادھر چھلانگیں لگانا تم لوگوں کا محبوب مشغلہ تھا اب ہر کسی کو اپنے جیسا سمجھ رکھا ہے کیا۔" فراز نے چڑاتے ہوئے کہا۔

"فراز بھائی! آپ کیوں ہماری باتوں کے درمیان بولتے ہیں۔" زویا خاصی چڑ کر بولی جب کہ مدحا فراز کے "تمہاری کتنی بندریا" کہنے پر بری طرح تلملا گئی ہوگی۔

"تم کہاں کے دانت والو خوب سے جتنے اور نایاب مخلوق تو تم ہو۔" مدحا دانت کچکچا کر بولی۔

"مدحا بی بی اپنی آنکھوں کا علاج کرواؤ ارے اس چشمہ بند بندے پر تو ہزاروں لڑکیاں مرتی ہیں۔" وہ فرضی کالر جھاڑ کر بولا۔ "تمہارے ساتھ کیس آنکھیں کھلنے والا تو معاملہ نہیں۔" وہ ذرا جھک کر مدحا سے رازداری سے بولا تو شادانہ بے ساختہ ہنس دی۔ مدحا کچھ خفیف سی ہوگئی پھر کچھ نہ سوجھا تو زویا سے مخاطب ہو کر بولی۔

"بس زویا آئندہ میں اس گھر میں قدم نہیں رکھوں گی۔"

"اچھا واقعی...." فراز مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا تو مدحا کا غصہ عروج پر تھا۔

"تم ہمیشہ ہی یہ بات کہتی ہو کبھی اس پر عمل بھی کرلو۔ جب سے تمہارے انٹر کے امتحان ختم ہوئے ہیں کچھ ہم ایک امتحان میں پڑ گئے ہیں جب دیکھو ہمارے سر پر مصیبت بیگ اٹھائے..." "مدحا کو کرنٹ کو کھاتے ان کا انداز دیکھ کر فراز الٹو اس نے اپنی زبان پر بریک لگائے تھے پھر تیزی سے باہر کی جانب بھاگا جب کہ مدحا بھی شیرنی کی مانند اس کے پیچھے لپکی۔ شادانہ اور زویا کافی دیر تک ہنستی رہیں۔ آج وہ کتنے دنوں کے بعد یوں کھل کر ہنسی تھی۔

زویا کے ذریعے جب دور کو شادانہ کے بارے میں پتا چلا تو وہ الجھ سا گیا۔ "تو اس کا مطلب ہے کہ وہ پولیس اسٹیشن میں اپنے گھر والوں کے متعلق جھوٹ بول رہی تھی۔ پھر وہ یہاں اتنی دور نانو سے ملنے کیوں آئی۔ اس کے ساتھ اس کی ماں یا دادی کیوں نہیں آئیں؟" وہ شادانہ کے متعلق جتنا سوچ رہا تھا ذہن اتنا ہی الجھ رہا تھا۔ "یہ بات تو طے ہے کہ یہ لڑکی کوئی بہت بڑی بات چھپا رہی ہے ہو سکتا ہے اس

نے ناٹو کو بتا دیا ہو لیکن کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔"
اور کوثر اسی سوچ کے بھنور میں ڈبکیاں کھانے لگی۔

اسے یہاں آئے ہوئے چند دن ہو چکے تھے لیکن یاد ہونے کے باوجود اس نے گھر پر ایک بار بھی فون نہیں کیا تھا کیونکہ آتے وقت اماں اور دادی نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ وہ فی الحال ان سے کوئی بھی رابطہ رکھنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اس کے یہاں سے چلے جانے کے بعد یقیناً تایا اور ذیشان نے اس کے گھر پر کڑی نگاہ رکھی ہوگی۔ "میرے یوں گھر سے چلے آنے پر وہ بہت غصے ہوئے ہوں گے اور [illegible] دونوں نے تایا کی باتیں سنی ہوں گی۔ دادی اور اماں کو تایا کی [illegible] سنی ہوں گی اور [illegible] ذیشان۔ "ذیشان کو تو خیال ہو رہا ہوگا؟" اس سے کہا تو وہ وحشت زدہ ہو گئی۔ "وہ تو [illegible] کی طرح پاگلوں کی طرح مجھے ڈھونڈ رہا ہوگا۔"

شاہانہ لان میں آنکھیں موندے بیٹھی یہی سوچے جا رہی تھی۔ زویا اور ماما فراز کے ساتھ شاپنگ کرنے گئی ہوئی تھیں۔ اسے بھی ساتھ چلنے کے لیے بہت اصرار کیا تھا لیکن اس کے منع کرنے پر وہ دونوں منہ بسورتے ہوئے چلی گئی تھیں۔ داور بہت دیر سے اپنے کمرے کی بالائی کھڑکی سے شاہانہ کو یوں سوچوں میں گم دیکھ رہا تھا۔ [illegible] کلر کے شلوار سوٹ میں یوں کھلی کھلی سی وہ شام کا ہی ایک خوب صورت حصہ لگ رہی تھی۔ شاہانہ کو اچانک ہی کسی کی نگاہوں کی تپش کا احساس ہوا۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول کر ذرا سا سر اٹھا کر دیکھا تو اوپر کے کمرے کی کھڑکی پر داور کو پایا جو اس کی جانب یک ٹک دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر جلدی سے اٹھ کر اندر کی جانب چل دی۔ "یہ ناٹو کی کٹکل کی پوتی تو مجھے معاف کرنے کو بالکل تیار

نہیں ہے۔" داور مزید کچھ نہیں بولا۔

وہ اندر آئی تو ناٹو کو [illegible] میں سر جھکائے پایا۔ وہ بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر سر ٹہلنے لگی۔ "بیٹا تمہارا یہاں دل تو لگ گیا نا؟" ناٹو ملائمت سے بولیں۔

"جی ناٹو دل تو لگ گیا لیکن گھر والے بھی بہت یاد آتے ہیں۔" وہ یکدم اداس ہو کر بولی۔

"ہاں بیٹا گھر والے تو تمہیں یقیناً یاد آتے ہوں گے لیکن فی الحال تمہارا ان سے رابطہ رکھنا بہت خطرناک ہوگا۔ تم کچھ دن صبر و ہمت کے ساتھ گزارو پھر اللہ نے چاہا تو جلد ہی تمہیں اس مصیبت سے چھٹکارا مل جائے گا۔ بس وہ وقت خوش اسلوبی سے گزر جائے کہ اس نے تمہیں ..." داور کو سیڑھیوں سے اترتے دیکھ کر یک لخت ناٹو چپ ہو گئیں۔ جب کہ شاہانہ اسے دیکھ کر یہاں سے فرار ہونے کا بہانہ ڈھونڈنے لگی۔ مگر سیڑھیوں سے نیچے آتے ہوئے داور کے کانوں میں ناٹو کے آخری الفاظ پڑ چکے تھے۔ وہ [illegible] الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ "ناٹو شاہانہ کے بارے میں سب کچھ جانتی ہیں پھر وہ مجھے کیوں نہیں بتا رہیں؟" وہ الجھ کر سوچنے لگا۔ "کہیں وہ ..." یکدم اس کے ذہن میں ایک انوکھا سا خیال آیا تھا۔ جب اس نے اسے پولیس اسٹیشن میں دیکھا تھا تو اس کے چہرے پر [illegible] امیر [illegible] سادگی [illegible] کی تھی۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کے والدین اس کی مرضی کے خلاف شادی کر رہے ہوں اور وہ گھر سے بھاگ آئی ہو۔" داور نے ایک لمحے کو سوچا مگر دوسرے ہی پل اس نے اپنے خیال کی نفی کر دی۔

"ایسی صورت میں ناٹو یقیناً اس کے گھر والوں سے رابطہ کرتیں اور اسے اس کے والدین کے حوالے کر دیتیں۔"

"ارے داور بیٹا کیا تم سیڑھیوں پر کھڑے

کھڑے ہی سر دباتے ہیں چلے گئے۔" ناٹو نے اسے انتہائی گہری سوچ میں غلطاں دیکھ کر لطیفے کی چوٹ کی جب کہ داور ناٹو کی آواز پر یک لخت حال میں واپس آیا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے ناٹو کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گیا اور سر کے چھوٹے بال کھجاتے ہوئے بے حد شوخ انداز میں بولا۔

"ناٹو آپ کٹکل کی پوتی سے میرا ابھی تعارف کروائیے۔" جب کہ شاہانہ کچھ حیران ہی اس کا یہ رنگ دیکھنے لگی۔ پولیس اسٹیشن میں انتہائی ظالم اور سخت نظر آنے والا انسان اس وقت خاصا بدلا ہوا شوخ سا تھا۔ اس دن کے بعد سے شاہانہ کا آج پہلی بار اس سے سامنا ہوا تھا۔ ناٹو ہنس کر بولیں۔

"بھئی شاہانہ یہ میرا سب سے بڑا پوتا داور ہے پولیس میں ہے اور سوائے مجرموں کے وہ کسی سے سوچتا نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے مجھ سے بہتر اور کون جانتا ہوگا۔" وہ اندر ہی اندر سلگ کر رہ گئی۔ وہ سر جھکائے سر جھٹکنے میں مصروف رہی البتہ داور نے اسے مسلسل اپنی [illegible] کے گھیرے میں رکھا ہوا تھا۔ اسی اثنا میں [illegible] شور مچاتے ہوئے اندر داخل ہوئے جن کے ہاتھوں میں شاپنگ بیگز تھے۔ وہ شاہانہ کے لیے بھی بہت [illegible] لائے تھے جنہیں وہ [illegible] سے تخت [illegible] پر [illegible] مسکراہٹ [illegible] مسلسل [illegible] "[illegible] نظر [illegible] ناٹو [illegible]؟" [illegible] بولی۔

رات کو جب وہ اپنے [illegible] تو یک دم اس [illegible] کے [illegible] دونوں [illegible] ذیشان [illegible] سے [illegible] تھا [illegible] خوشی [illegible] سال بعد اپنے ملک واپس آ رہا تھا۔ شاہانہ نے

جب سے ہوش سنبھالا تھا تایا سمیت ان کی فیملی کا اپنے والدین کے ساتھ کافی کھنچا ہوا رویہ دیکھا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ جب وہ شعور کی منزل پر پہنچی تو یہ بات جان گئی کہ پیسے کی فراوانی نے تایا کی فیملی کے دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا دیے ہیں۔ جب کہ جسیم بابا اپنے بڑے بیٹے منیر حسن اور بہو سے جلال ہو کر اپنے چھوٹے بیٹے [illegible] حسن کے پاس آ گئی تھیں۔ [illegible] حسن ایک بینک میں اکاؤنٹنٹ تھے۔ ان کے [illegible] گھر میں [illegible] تھا وہ منیر حسن کی [illegible] میں [illegible] تھا۔ منیر حسن کی دونوں بیٹیاں [illegible] اپنی ماں کی طرح انتہائی [illegible] اور [illegible] تھیں۔ دونوں نے اپنے شوہر [illegible] اچھی طرح [illegible] میں کر رکھا تھا جب کہ منیر حسن کا اکلوتا بیٹا ذیشان تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے لندن چلا گیا تھا لیکن وہاں جا کر وہ [illegible] کی رنگینیوں میں گم ہو گیا تھا [illegible] کر پاکستان آ رہا تھا تایا نے ذیشان کے آنے کی خوشی میں ایک پارٹی دی تھی اس پارٹی میں تایا نے منیر حسن کی فیملی کو بھی مدعو کیا تھا۔ شاہانہ اپنے [illegible] لوگوں کے گھر نہیں جانا چاہتی تھی لیکن دادی اور پاپا کے کہنے پر وہ پارٹی میں جانے کو تیار ہو گئی اور یہی لمحے شاہانہ کی [illegible] دی گئی اور ان [illegible] میں ہی شاہانہ نے [illegible] کو اپنے گھر کے اندر [illegible] پارٹی میں ذیشان نے شاہانہ کا سادہ سا پاکیزہ حسن دیکھا تو بالکل دیوانہ ہو گیا تھا۔ وہ [illegible] دوسرے دن ان کے گھر آ جاتا اور بہانے بہانے سے اس سے قریب ہونے کی کوشش کرتا جب کہ شاہانہ کو اس امیر زادے کی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ جب بھی گھر آتا شاہانہ [illegible]

اذیت کا شکار ہو جاتی۔ وہ کافی بے باک نگاہوں سے اسے دیکھتا تھا۔ دادی اور شمائلہ کے والدین سے وہ انتہائی مؤدبانہ انداز میں ملتا اپنے گھر والوں کے برعکس ذیشان کا رویہ ان کے ساتھ بہت دوستانہ اور اپنائیت بھرا تھا۔ پھر ایک دن تو جیسے بھونچال ہی آ گیا۔ سفیر حسن اور ان کی بیوی طلعت انتہائی بوکھلائے ہوئے شمائلہ کا ہاتھ ذیشان کے لیے مانگنے آئے۔ اماں بابا دادی کے ساتھ ساتھ وہ بھی ششدر رہ گئی۔ اماں بابا نے فی الحال بابا کو کوئی جواب نہیں دیا لیکن اسی رات ذیشان شرافت و انکساری کا چولا پہن کر ان کے گھر آیا اور منیر حسن سے انتہائی عاجزی سے شمائلہ کا ساتھ مانگا۔ اس سے شمائلہ سمیت سارے گھر والے اس کے جھانسے میں آ گئے۔ وہ سمجھے کہ ذیشان تو اپنے گھر والوں سے مختلف ایک نیک اور اچھا لڑکا ہے اور یوں ذیشان کی پرزور خواہش پر انہوں نے شمائلہ کا نکاح ذیشان سے کر دیا جبکہ رخصتی شمائلہ کے گریجویشن کرنے کے بعد طے پائی۔ نکاح ہو جانے کے بعد ذیشان دندناتے ہوئے شمائلہ کے گھر آنے لگا۔ وہ بہانے بہانے سے بڑھتے حوصلے سے اس کا ہاتھ تھام لیتا۔ ذیشان کی ان بے باک حرکتوں سے شمائلہ سخت عاجز تھی۔ اب اسے لگتا تھا کہ اس نے ذیشان کے ساتھ نکاح کر کے بہت سنگین غلطی کی ہے اور پھر ایک دن ذیشان نے اپنی شرافت کا لبادہ پوری طرح سے اتار پھینکا۔ وہ شمائلہ کو زبردستی ایک پارٹی میں لے گیا جو اس نے اپنے نکاح کی خوشی میں اپنے دوستوں کو دی تھی۔ ہوٹل کے ہال سائیڈ پر اس وقت رنگینیاں عروج پر تھیں جب کہ شمائلہ کا جو حال تھا وہ بیان سے باہر تھا۔ انتہائی چست لباس میں نسوانیت کو مجروح کرتی انداز میں انتہائی لڑکیاں بڑی بے باکی سے مردوں سے محو گفتگو تھیں۔ وہ ایک کونے میں ہراساں سی کھڑی یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ معاً ذیشان اپنے جھومتے قدموں سمیت اس کی جانب چلا آیا۔

"شمائلہ! ڈارلنگ! میرے ساتھ آؤ تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے۔" ذیشان اس کی کلائی تھام کر تقریباً اسے گھسیٹتا ہوا ہوٹل کی لابی تک لے آیا۔

"ذیشان چھوڑو میرا ہاتھ اور مجھے ابھی اور اسی وقت گھر چھوڑ کر آؤ۔" وہ ذیشان کی اس حرکت پر جیسے بے قابو ہو گئی لیکن ذیشان کو تو جیسے کچھ سنائی ہی نہیں دیا تھا۔ اسے یونہی کھینچتا ہوا وہ ایک کمرے کے دروازے تک لے آیا۔ اب تو شمائلہ کے رہے سہے اوسان بالکل خطا ہونے لگے تھے۔

"ذیشان پلیز مجھے گھر چھوڑ دو۔" اس بار شمائلہ کی آواز میں واضح کپکپاہٹ تھی لیکن اسی دوران ذیشان لاک کھول کر اسے اپنے ساتھ اندر لے آیا تھا۔

"تم اتنا ڈر کیوں رہی ہو۔ میں تمہارا شوہر ہوں کوئی غیر تو نہیں۔" اس لمحے شمائلہ کو ذیشان کی آواز لڑکھڑاتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ شمائلہ کے چاروں طرف جیسے خطرے کی گھنٹیاں سی بج اٹھیں۔ "ذیشان ابھی ہمارا صرف نکاح ہوا ہے۔ رخصتی نہیں۔" یہ کہہ کر شمائلہ جوں ہی دروازے کی جانب پلٹی۔ ذیشان سرعت سے اس کے راستے میں آ گیا۔

"اوہ کم آن شمائلہ! اب تم میری بیوی بن چکی ہو۔ چنانچہ یہ دقیانوسی باتیں کرنا چھوڑ دو۔" یہ کہہ کر اس نے شمائلہ کا بازو پکڑ کر اپنی جانب کھینچا جبکہ شمائلہ نے انتہائی مشتعل ہو کر اس کے چہرے پر تھپڑ رسید کر دیا۔ چند لمحے کو تو ذیشان بھونچکا سا کھڑا رہ گیا پھر انتہائی جارحانہ انداز میں اس کی جانب بڑھا۔ شمائلہ نے اپنے بچاؤ کے لیے سرعت سے ٹیبل پر دھرا گلدان اٹھایا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ پوری طاقت سے ذیشان کی طرف اچھال دیا۔ ذیشان کے ماتھے سے ایک دم

خون کا فوارہ چھوٹ پڑا۔ "اوہ..." ذیشان نے اسے ایک گالی دی اور پھر جو الفاظ اس کے منہ سے نکلے اسے سن کر شمائلہ سناٹے میں آ گئی۔ جو چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں۔" پھر جیسے شمائلہ یک دم ہوش میں آ گئی۔ وہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر کمرے سے بھاگی۔ پھر نہ جانے کن راستوں سے وہ گھر پہنچی اور اپنے بستر پر گرتے ہی بے سدھ ہو گئی۔

تقریباً دو دن بعد اس کے بخار کا زور ٹوٹا تو اس نے آنکھیں کھولیں۔ دادی انتہائی متفکر انداز میں قریب ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ شمائلہ کو آنکھیں کھولتے دیکھ کر انہوں نے اماں بابا کو آوازیں دے ڈالیں جو فوراً اس کے کمرے میں آ گئے تھے۔

"کیا ہو گیا تھا شمائلہ تجھے؟" دادی انتہائی نرم لہجے میں استفسار کر رہی تھیں۔

"کیا ہوا بیٹی! تمہارا ذیشان سے کس بات پر جھگڑا ہوا تھا؟" بابا کے منہ سے یہ الفاظ سن کر وہ بری طرح چونکی۔ "تو کیا ذیشان نے کچھ نہیں بتایا۔" شمائلہ نے اٹک کر پوچھا۔

"وہ بابا..." اتنا کہہ کر شمائلہ خاموش ہو گئی۔ باپ کے سامنے ذیشان کے کرتوت بتاتے ہوئے اسے حیا آ گئی۔ "آپ لوگوں کو ذیشان نے کچھ نہیں بتایا؟" وہ جھجکتے ہوئے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"وہ یہاں آتا ہی کب ہے۔ وہ تو اسلام آباد گیا ہوا ہے۔" دادی کی بات پر وہ دھک سے رہ گئی۔

"ذیشان نے سب کو بتایا کیوں نہیں کہ اس نے مجھے طلاق..." شمائلہ نے انتہائی پریشانی کے عالم میں سوچا۔

"بیٹی کچھ تو بتاؤ۔ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔" اماں گھبرا کر بولیں۔

"کیونکہ ذیشان نے مجھے طلاق دے دی ہے۔" شمائلہ نے گویا دھماکا کیا تھا۔ اماں بابا اور دادی حق دق بیٹھے اسے دیکھے جا رہے تھے۔

"کیوں بیٹا! آخر اس نے اتنا بڑا قدم کیوں اٹھایا؟" بابا نے سب سے پہلے اپنے آپ کو سنبھالا تھا۔ وہ انتہائی کمزور آواز میں بولے اور پھر شمائلہ نے تفصیل سے اس رات کی چیدہ چیدہ باتیں ان سب کو بتا دیں جسے سن کر اماں اور دادی نے مارے رنج و حیرت کے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ جب کہ منیر حسن کی غیرت جوش میں آ گئی۔

"اس ناہنجار کی یہ ہمت کہ وہ میری بیٹی کے ساتھ ایسا سلوک کرے۔" شمائلہ نے آج پہلی بار اپنے باپ کو اتنے غصے میں دیکھا تھا۔ انہوں نے ابھی اسی وقت فون پر سفیر حسن سے بات کی اور ذیشان کی اس حرکت کے بارے میں بتایا۔ وہ کہے کے اعلان اس معاملے میں ان کا ساتھ ضرور دے گا۔ منیر حسن کی بات سن کر سفیر حسن کچھ دیر تو خاموش رہے پھر گویا ہوئے۔ "ذیشان اگلے ہفتے گھر آ رہا ہے۔ وہ آ جائے تو پھر بات کریں گے۔"

"بھائی جان! کیا آپ کو اپنے بھائی کی بات پر یقین نہیں ہے۔" منیر حسن دکھ سے بولے۔

"دیکھو منیر! اگر تم میرے بھائی ہو تو ذیشان میرا بیٹا ہے اور ہو سکتا ہے کہ شمائلہ جھوٹ بول رہی ہو۔" سفیر حسن جھنجھلا کر بولے۔

"میری بیٹی کبھی بھی اتنا بڑا جھوٹ نہیں بول سکتی۔" وہ دکھ سے بولے پھر اگلے لمحے انتہائی درشت لہجے میں بولے۔ "میں خود ذیشان سے آ کر بات کروں گا۔" جبکہ سفیر حسن نے انتہائی ناگواری سے فون رکھ دیا۔

لیکن جب ذیشان گھر آیا اور منیر حسن نے وہاں جا

کہ اس سے بڑا بری لگی تو اس کا بیان سن کر شادانہ کے
پیروں تلے سے زمین سرک گئی۔ اس کے تو وہم و گمان میں
بھی نہیں تھا کہ ذیشان سب گھر والوں کے سامنے
صاف مکر جائے گا۔ اس کا کہنا تھا کہ "شادانہ کسی اور
کو پسند کرتی ہے۔ جس کے کارن وہ مجھ پر اتنا گھٹیا
الزام لگا رہی ہے کہ میں نے اسے طلاق دے دی
ہے۔ اور امی آپ تو جانتی ہی ہیں کہ میں شادانہ کو
کتنا پسند کرتا ہوں۔ کبھی اور آپ کی مرضی کے خلاف جا
کر میں نے اس سے نکاح کیا تھا پھر بھلا میں اسے
کیوں کر طلاق دوں گا۔" وہ بڑی صفائی سے جھوٹ
بول رہا تھا۔

"سن لیا تم نے منیر حسن! ان غلط وجوہ پر تم نے اپنی
بیٹی کی پرورش کی ہے کہ وہ اپنے کسی عاشق کی خاطر
میرے معصوم بیٹے پر اتنا بڑا الزام۔"

"بھائی صاحب! خاموش ہو جائیے۔" منیر حسن
چیخ کر بولے۔ اتنا گھٹیا الزام اپنی پاک دامن بیٹی
پر وہ برداشت نہیں کر پائے۔ "میری بیٹی انتہائی نیک
شریف اور پارسا ہے۔ یہ جھوٹ تو آپ کا بیٹا بول
رہا ہے۔ شادانہ کو زبانی طلاق دے کر اب یہ مکر رہا
ہے۔" منیر حسن ذیشان کو نفرت سے دیکھتے ہوئے
انتہائی رنجیدہ لہجے میں بولے۔

"منیر حسن تمہیں تو اپنی بیٹی ہی دودھ کی دھلی نظر
آئے گی۔" طلعت بیگم تڑخ کر بولی تھیں۔

"اور اگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں تو
سن لیجیے شادانہ اب بھی میری منکوحہ ہے اور نکاح
نامہ اس بات کا ثبوت ہے اس کے یہ جھوٹ بولنے
سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ذیشان کندھے اچکاتے
ہوئے انتہائی لاپروائی سے بولا جب کہ منیر حسن کے
کندھے یک دم ہی جھک گئے تھے۔ ان کے پاس
اس طلاق کا کوئی تحریری ثبوت نہیں تھا۔ یہ بات انہیں
سخت ہراساں کر گئی وہ انتہائی بے بسی سے سفیر حسن
سے بولے۔

"بھائی جان خدا کے لیے ذیشان سے کہیے کہ وہ
اس بات کو قبول کر لے اور شادانہ کو تحریری طلاق لکھ کر
دے دے۔" ان کی آواز میں پہلے جیسی مضبوطی اور
غصہ اب مفقود تھا۔ صرف لاچاری اور خوف تھا۔

"تم خواہ مخواہ میں اپنا اور میرا وقت برباد کر رہے ہو
جاؤ جا کر شادانہ کو سمجھاؤ کہ وہ یہ ڈرامہ بند کرے۔" وہ
جاتے جاتے پھر پلٹ کر بولے تھے۔ "اور ہاں تم بھی
اس کی رخصتی کی تیاریاں شروع کر دو۔" انتہائی رعونت
سے کہہ کر سفیر حسن کے ساتھ طلعت بیگم اور ذیشان
بھی ڈرائنگ روم سے باہر چلے گئے جبکہ منیر حسن کٹے
ہوئے شہتیر کی طرح صوفے پر ڈھے گئے۔

شادانہ باپ کے چہرے پر بے بسی و لاچاری کی
تحریریں دیکھ کر بہت افسردہ تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا
کہ وہ اپنے آپ کو ہی ختم کر ڈالے آج صرف اس
کی وجہ سے ہی ان کا باپ انتہائی ذلیل ہو کر بے بس ہو
گیا تھا اور پھر اسی رات منیر حسن کو دل کا شدید دورہ پڑا
اور ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ شادانہ پر
تو جیسے ساتوں آسمان ٹوٹ پڑے تھے وہ باپ کی
شفقت بھری چھاؤں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئی تھی
ننگی دھوپ میں بے بس ہو کھڑی ہوئی تھی۔ اسے
لگ رہا تھا کہ وہ ایسے لق و دق میدان میں کھڑی
ہے جہاں چاروں طرف سے سفاک بھیڑیے اسے
نوچنے کو تیار ہیں۔

منیر حسن کے چالیسویں کے فوراً بعد سفیر حسن
انتہائی کروفر سے رخصتی کی تاریخ لینے آ گئے تھے۔

"سفیر حسن خدا کے عذاب سے ڈرو اور ہوش میں
آؤ۔ تم اتنا بڑا گناہ کرنے جا رہے ہو ذیشان شادانہ
کو طلاق دے چکا ہے تو پھر یہ رخصتی کیسے ممکن ہے؟"

دادی نے ایک بار پھر اپنے ناخلف بیٹے کو سمجھانے کی
کوشش کی لیکن سفیر حسن کے دل پر تو جیسے مہر لگ چکی
تھی۔ انتہائی رعونت سے بولے۔

"مجھے سمجھانے کے بجائے اپنی پوتی کو سمجھائیے
کہ یہ ناٹک اب ختم کرے جتنا جلد ہو جائے۔
شادانہ صرف میرے بیٹے کی دلہن بنے گی۔" وہ ہٹیلے
انداز میں بولے۔

شادانہ نے ذیشان سے فون پر بات کر کے اس کی
منت کی کہ وہ سب کو سچائی بتا دے جس کے جواب
میں ذیشان بولا۔

"یاد ہے وہ تھپڑ جو تم نے مجھے ہوٹل کے روم میں
مارا تھا۔ اب تم دیکھنا کہ میں تمہاری زندگی اتنی عبرت
ناک بنا دوں گا کہ تم اپنی موت کی دعا کیا کرو گی۔"
ذیشان کی آواز میں اژدھوں جیسی پھنکار تھی۔ جبکہ
شادانہ بالکل بکھر ہی گئی۔

دن انتہائی سرعت سے گزر رہے تھے وہ تینوں کسی
بے بس پرندے کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گئی تھیں
اور پھر بالآخر شادانہ کی مایوں کا دن آ پہنچا تھا۔ شادانہ
کے ہاتھوں میں مہندی لگائی جا چکی تھی۔ جب کہ اس
کی ابٹن کی خوشبو اس کے بدن سے اٹھ رہی تھی جو
تایا کے گھر والے ابٹن لگا کر گئے تھے۔ وہ تو بالکل
بے حس و حرکت سی بیٹھی تھی۔ اسے اس دم لگا کہ یہ پیلا
جوڑا نہیں بلکہ وہ سفید کفن ہے جو اس کی عزت و ناموس
کی لاش کو پہنایا گیا ہے۔ اس رات وہ بہت روئی اور
خدا سے گڑگڑا کر اس آفت سے نجات کی دعا
مانگیں۔ ابھی فجر سے کچھ دیر پہلے ہی تو بمشکل اس کی
آنکھ لگی تھی کہ دادی اور اماں نے اسے بری طرح
جھنجھوڑ کر اٹھایا وہ ہڑبڑا کر بستر سے اٹھ بیٹھی۔

"شادانہ! لے یہ جوڑا پہن لے۔" دادی اس کے
سامنے ایک جوڑا رکھ کر انتہائی عجلت سے بولیں
جب کہ اماں نے ایک سرخ بیگ اس کے سامنے
رکھا۔ "وقت بہت کم ہے ابھی فجر کی اذان شروع ہو
جائے گی تم جلدی سے کپڑے بدل کر یہاں سے
نکل جاؤ۔" اماں گھبرا کر بولیں۔

"تیرے بیگ میں ایک لفافہ ہے جس میں میری
سہیلی مجیدہ کے گھر کا پتہ ہے جو لاہور میں رہتی ہے تو
فوراً یہاں سے نکل اور لاہور مجیدہ کے گھر چلی جا۔
مجھے یقین ہے کہ وہ اس مصیبت کی گھڑی میں ہمارا
ساتھ ضرور دے گی۔" دادی یقین آمیز لہجے میں
بولیں۔ اس وقت شادانہ بھی سوچنے کا نام نہیں رہا تھا بس
صرف ایک خیال ہر احساس پر حاوی تھا کہ کسی بھی
طرح سے اپنی ناموس کو بچا لیا جائے سو وہ جیسے
اندھیرے میں ہی اپنے گھر سے نکل آئی اور دور سے آتی
موذن کی دل گداز اذان پر وہ جیسے ہڑبڑا کر ماضی کی
گلیوں سے باہر آئی پھر جیسے حلق تک کڑوی
سانس کھینچی اور وضو کرنے کے لیے باتھ روم میں گھس
گئی۔

۞۞۞

"نوید! کیا بات ہے بہت دنوں سے تم اپنی
سہیلیوں اور ان کی کزنز کی تصویریں نہیں لا رہی ہو۔"
فراز نوید کو چھیڑنے کی غرض سے بولا۔ اس دم وہ
ڈیوٹی سے فارغ ہو کر گھر میں داخل ہوا۔

"ارے وہ آج بھیا بڑی جلدی آ گئے۔" نوید اس
کو آتا دیکھ کر چہک کر بولی۔ جبکہ نوید کے ساتھ
باتیں کرتی شادانہ کے ہاتھ پاؤں نہ جانے کیوں سرد
پڑ گئے۔ اس نے ایک نظر بھی اوپر اٹھانے کی جرات نہ کی
تھی جب کہ وہ اپنے ریڈ اینڈ کریم کنٹراسٹ کے
سوٹ میں بے نیازی سے بیٹھی شادانہ پر بڑی گہری نگاہ
ڈالی تھی۔

"بھیا! ابھی فراز بھائی مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ

"آج کل میں تصویریں کیوں نہیں لا رہی؟" زویا مسکراتے ہوئے بولی۔ زوی کی بات پر مدحا بھی اس کی طرف متوجہ ہوگئی جبکہ شاداب کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس طرف متوجہ ہو جائے یا یونہی بے نیازی سے بیٹھی رہے۔

"میں نے بھیا کے لیے ایک لڑکی پسند کر لی ہے۔" زویا ڈرامائی انداز میں بولی تو فراز کچھ چونک کر بولا۔

"تم جاناں دو سال سے یہی تو کر رہی ہو۔"

شاداب نے بے ساختہ داور کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا لیکن داور کو اپنی جانب تکتا پا کر وہ فوراً نگاہیں جھکا گئی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ کافی جھنجلا بھی گئی تھی۔ "یہ شخص کیوں مجھے ایسے دیکھتا ہے؟" شاداب کا دل چاہا کہ صوفے پر رکھا کشن اس کے سر پر دے مارے اور اسے اس طرح دیکھنے پر خوب کھری کھری سنائے جو اسے سخت کھل رہا تھا۔

"بھیا! اگر آپ کی کوئی پسند ہو تو بتادیں پھر بعد میں کہیے گا کہ مجھ سے کسی نے پوچھا نہیں۔" فراز شوخی سے بولا تو داور انتہائی دلکشی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہاں یہ بات تو ہے! زویا! اگر تم میری پسند نوٹ کرلو۔" وہ زویا کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "وہ لڑکی جو مجھ سے نگاہ اٹھا کر بات کرتے ہوئے کترائے مجھ سے خفا ہو تو چہرے پر شفق کے تمام رنگ لاکر مجھ سے منہ موڑ لے اور جب میں اسے منانے کی کوشش کروں تو........"

شاداب کی سماعت اب جواب دے چکی تھی وہ انتہائی تیزی سے صوفے سے اٹھی تو یک دم داور انتہائی معصومیت سے بولا۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟" شاداب کو اس وقت اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پانا مشکل ہوگیا۔

"وہ..... وہ میں....." شاداب سخت نروس ہوگئی فراز بھی کچھ نہ سمجھتے ہوئے داور کو دیکھ کر مسکرا دیا تھا جبکہ مدحا اور زویا دونوں سر جوڑ کر کچھ پریشان ہو کر سرگوشیاں کر رہی تھیں۔

"ذرا پانی تو دیکھ لوں۔" وہ کافی بوکھلاتے پن سے بولتی ہوئی یہ جا وہ جا جبکہ داور فراز کو اپنی جانب دیکھتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے عجیب سا لگا تھا۔

"بھیا! یہ کیا بات ہوئی؟ اب ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ کون سی لڑکی میں اس طرح خفا ہونے والی خصوصیات ہیں۔" زویا خاصی جھنجلا کر بولی۔

"اوہ! ڈونٹ وری گڑیا! مجھے معلوم ہے کہ کس لڑکی میں یہ تمام خصوصیات ہیں۔" فراز شرارت سے بولا تو داور نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے خاموش رہنے کی التجا کی تو فراز مسکرا دیا پھر دونوں کو لوٹ پوٹ باتوں میں الجھا کر انہیں اچھی طرح سے چکرا کر رکھ دیا۔

کھڑکی پھلانگ کر وہ دھڑکتے دل کی ضرب سے باہر لان میں چلی آئی۔ شبنم سے بھیگی بھیگی گھاس پر ننگے پاؤں چلنا اسے بہت اچھا لگا۔ ہاتھ پچھلی رات کی سیاہی دھیرے دھیرے سے صبح کے اجالے کے دامن میں منہ چھپا رہی تھی جبکہ بادلوں کی چادر سے جھانکتا چاند بھی روشنی کی چادر لپیٹ کر اب نگاہوں سے اوجھل ہو چلا تھا۔ وہ اس لمحے قدرت کی اس رعنائی کو دیکھ کر بیحد مبہوت ہو جاتی تھی اور یہ سوچتی تھی کہ وہ ذات کتنی جلیل و کبیر ہے کتنا بزرگی والا ہے جس نے اس وسیع آسمان کو کسی دلہن کی طرح نہ صرف سجا رکھا ہے بلکہ تمام کائنات کا بادشاہ ہے وہ کیسی خوب صورت نشانیوں کے ذریعے انسان کو یہ احساس دلاتا ہے کہ اس کا رب کتنا خوب صورت ہے۔ آسمان کے آنچل میں لگے یہ ستارے جنہوں نے پوری کائنات

کو انتہائی رنگین و دلکش بنا دیا ہے یہ سب اس خالق نے انسان کے لیے بنایا ہے۔ شاداب سرشاری سے سوچ گئی۔ دور افق سے سورج اپنے آنے سے پہلے آہستہ آہستہ اپنے ہلکے دلکش رنگوں کو پھیلا رہا تھا۔ کچھ بادلوں نے ان رنگوں سے اپنے وجود کو بھی رنگ لیا تھا۔ اس سے اپنے حسن پر نازاں آسمان کتنا دلکش لگ رہا تھا۔ یک دم شاداب کا دل چاہا کہ وہ بھی آسمان پر پھیلے ان رنگوں کو اپنی ہتھیلیوں میں جذب کر لے یا خود بھی وہاں جا کر بس جائے۔ وہ تیزی سے اٹھ کر چلنے لگی۔ وہ اس خوب صورت ماحول میں کھوئی تھی کہ جاگنگ سوٹ پہنے داور کو باہر آتے بھی نہ دیکھ سکی گیٹ کی جانب جاتے داور کے قدم یک دم رک گئے تھے۔ آف وائٹ دوپٹے کو اوڑھے سوٹ میں وہ اسے اپنے دل کے آس پاس محسوس ہوئی۔ داور کچھ سوچ کر مسکراتے ہوئے اس کی جانب بڑھا۔

"گڈ مارننگ۔" داور کی آواز پر وہ اتنی بری طرح اچھلی کہ بے ساختہ داور کو ہنسی آگئی۔ "آئی ایم سوری! میں نے آپ کو ڈرا دیا۔" وہ اپنی ہنسی پر بمشکل قابو پاتے ہوئے بولا۔

"ڈرانے کے علاوہ آپ کو اور آتا ہی کیا ہے؟" وہ تڑخ سے بولی۔ صبح ہی صبح داور سے سامنا ہو جانے پر وہ اندر ہی اندر سخت جھنجلا رہی تھی۔

"آپ مجھے ایک بار موقع تو دیجیے پھر میں آپ کو بتاؤں گا کہ مجھے کیا کیا کرنا آتا ہے۔" داور بڑی دلکشی سے بولا۔ شاداب نے آنکھیں اچکا کر خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے اپنی غلطی پر معافی مانگنا آتا ہے روٹھے ہوئے کو منانا آتا ہے اور الجھے لوگوں سے دوستی کر کے انہیں سمجھانا بھی آتا ہے۔" وہ اپنے جملے کی وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

"اچھا تو داور میں کیوں آپ سے دوستی کروں؟" وہ بری طرح چڑ کر بولی۔

"اوہ تو اس کا مطلب ہے کہ آپ مجھ سے سخت خفا ہیں۔" داور خاصی فکر مندی سے بولا۔ وہ چونک کر اندر جانے کو پلٹی لیکن یک دم جیسے ساکت رہ گئی یہ داور کیا کہہ رہا ہے۔

"جب کوئی اجنبی ہمیں اچانک بہت اچھا لگنے لگے جب ہماری آنکھیں ہر وقت صرف اس کا دیدار کرنے کو بے چین رہیں جب تنہائی میں اس کا خیال آکر ہمارے ہونٹوں میں تبسم بکھیر دے تب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" وہ اس کے مقابل آکر انتہائی گھمبیر سرگوشی میں اس سے استفسار کر رہا تھا۔

"اسے کسی اچھے سے ماہر نفسیات کو دکھانا چاہیے۔" شاداب بمشکل اپنے آپ کو سنبھال کر بولی تو داور زور سے ہنس دیا پھر بڑے نرم لہجے میں بولا۔

"آئی ایم سوری شاداب اس دن انجانے میں میں نے آپ کے ساتھ بہت برا سلوک کیا تھا۔ میں واقعی بہت شرمندہ ہوں اور اگر آپ کہیں تو میں اپنے کان بھی پکڑ لیتا ہوں۔" آخری جملہ وہ خاصی شوخی سے بولا جب کہ شاداب کے لیے نگاہ اٹھانا محال ہوگیا۔

"اس لمحے۔" صرف ایک نگاہ اس عجیب شخص پر ڈال کر اس نے اپنی آنکھوں پر پلکوں کا پردہ گرا لیا اور تیزی سے اندر چلی گئی۔ داور وہیں مسحور سا کھڑا اس کے وجود کی خوشبو کو اپنے اندر محسوس کر رہا تھا۔

"شاداب باجی پلیز چلیے نا ہمارے ساتھ۔" زویا کافی دیر سے اس کی منتیں کر رہی تھی۔ مدحا اپنے گھر چلی گئی تھی زویا کو مارکیٹ سے کچھ چیزیں لینی تھیں وہ اکیلی نہیں جانا چاہ رہی تھی۔

"میرا بالکل موڈ نہیں ہو رہا..... پلیز تم لوگ چلے جاؤ۔" شاداب سہولت سے انکار کرتے ہوئے

بولی۔

"ٹھیک ہے اگر آپ میرے ساتھ نہیں جائیں گی تو میں بھی نہیں جاؤں گی۔" زوبیا خفگی کے انداز میں ہونٹ بھینچ کر بولی تو شازار نے بے بسی نگاہوں سے نانو کو دیکھا۔

"چلی جاؤ بیٹی تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔" نانو کے الفاظ پر شازار نے انہیں انتہائی تحیر سے دیکھا۔

"ہاں... اب تو آپ کو ہمارے ساتھ جانا ہی پڑے گا۔" زوبیا خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"میں ابھی کپڑے تبدیل کر کے آتی ہوں۔" وہ تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بھاگی تو شازار انتہائی پریشانی کے عالم میں نانو کے قریب آ گئی۔

"نانو! میں کیسے باہر جا سکتی ہوں اگر ذیشان نے مجھے دیکھ لیا تو...؟" وہ خوف اور وسوسے میں الجھی بات ادھوری چھوڑ گئی۔

"تم اتنا خوف زدہ مت ہو اس گھر سے تمہیں کوئی نہیں لے جا سکتا اور جب سے تم آئی ہو گھر میں ہی قید ہو کر رہ گئی ہو۔ باہر جاؤ گی تو طبیعت پر اچھا اثر پڑے گا۔ تم یوں چھپ کر تو پوری زندگی نہیں گزار سکتیں۔" نانو اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔ نانو کے کہنے پر وہ بادل نخواستہ جانے کو تیار ہو گئی۔

شاپنگ مال میں آ کر واقعی اس کا دھیان کافی بٹ گیا تھا وہ انتہائی دلچسپی سے ایک دکان میں رکھے ڈیکوریشن پیس دیکھ رہی تھی کہ معاً اس کی نگاہ سامنے والے لیڈیز بوتیک پر پڑی۔ چند لمحے تو وہ ٹھٹھری رہ گئی۔ اس کے بالکل مقابل ہی کھڑا وہ بلاشبہ ذیشان ہی تھا جو کسی لڑکی کو ڈریس دلا رہا تھا۔ شازار نے تیزی سے اپنا چہرہ چادر میں چھپایا اور پھر انتہائی تیز تیز قدموں سے مال سے باہر آ گئی۔ گاڑی تک آتے آتے اس کا سانس بری طرح پھول رہا تھا زوبیا اور فراز ابھی مال میں ہی تھے وہ وہیں ایک ستون کی آڑ میں کھڑے ہو کر ان دونوں کا انتہائی بے قراری سے انتظار کرنے لگی تھوڑی ہی دیر میں دونوں ہنستے مسکراتے ہوئے باہر آئے تو انہیں آتا دیکھ کر وہ جلدی سے ستون کی آڑ سے باہر آ گئی۔

"ارے شازار باجی! آپ باہر آ گئیں اور ہم آپ کو وہاں سے غائب دیکھ کر سخت پریشان ہو گئے۔" زوبیا جلدی سے بولی۔

"فراز پلیز فوراً گھر چلو میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔" شازار زوبیا کی بات کو نظر انداز کر کے انتہائی گھبرا کر بولی۔ اسے ڈر تھا کہیں ذیشان باہر نہ آ جائے۔ زوبیا اور فراز شازار کا چہرہ دیکھ کر پریشان ہو گئے جو اس وقت سرسوں کے پھول کی طرح پیلا ہو رہا تھا۔ فراز اور زوبیا نے ... گاڑی ... "اوہ خدایا شکر ہے کہ ذیشان نے مجھے نہیں دیکھا۔" وہ دل ہی دل میں بولی۔ شازار ... ذیشان ... بہت ... ہو گئی تھی۔

گھر آ کر فوراً اس نے نانو کو ذیشان کی بات بتائی وہ بھی کچھ متفکر ہو گئیں نانو نے اسے مشورہ دیا کہ ہم یہ تمام قصہ ماموں کو بتا دیتے ہیں چونکہ وہ ایڈووکیٹ ہیں ان سے وہ کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالیں گے۔ شازار کا دل اب چونکہ ... کی طرف سے صاف ہو چکا تھا لہٰذا اس نے بھی ... سب بتانے کا فیصلہ کر لیا۔ ذیشان کو اور ... دیکھ کر وہ ایک بار پھر خوف و دہشت کے آکٹوپس میں جکڑ گئی تھی لیکن ... کو خود سے کچھ بتانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ عدیل کی بھابی نے ایک پیاری سی بیٹی کو جنم دیا تھا لہٰذا تمام گھر والے چچا کے گھر گئے ہوئے تھے ... طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے اپنے کمرے میں

سو رہا تھا۔ شازار بھی اس وقت ان کے ساتھ ... بہت تھک گئی تھی لہٰذا وہ گھر ہی رہ گئی۔ وہ ... کے ساتھ مل کر رات کے کھانے کا بندوبست کر رہی تھی کہ اچانک ڈور بیل ... اور دروازہ کھلا۔ شازار کچھ گھبرا کر کچن سے باہر آئی تو جیسے ساکت و صامت رہ گئی۔ تایا اور ذیشان انتہائی خطرناک تیوروں سے لاؤنج میں کھڑے ... اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ... شازار کی آواز جیسے حلق میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ اس نے چلا کر ... آواز دینا چاہی لیکن قوت گویائی جیسے مفلوج ہو کر رہ گئی ... تیزی سے پلٹ کر ... کمرے تک آئی اور ... اندر گھس گئی۔

"وہ... وہ... ذیشان..." بیڈ پر سوئے ہوئے فراز کو اس نے بری طرح جھنجوڑ ڈالا۔ وہ انتہائی گھبرا کر اٹھا۔

"کیا ہوا شازار سب ٹھیک تو ہے؟" اس نے اس کی آنکھوں میں خوف و دہشت کی ... دیکھ کر کافی گھبرا کر پوچھا۔

"وہ... وہ... مجھے لینے آ گئے پلیز میری مدد کریں۔" شازار انتہائی ... بولی ... جب کہ ... کچھ بھی نہیں پڑا۔

"کون لینے آ گئے؟" فراز نہ سمجھنے والے انداز میں بولا۔ تب ہی ... لاؤنج سے ... زور دار ... جانے کی آواز آئی۔ ... تو وہ سرعت سے ... کی جانب بڑھا۔

"کون ہے وہ کمینہ جس نے میری بیوی کو اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔" ذیشان چلا چلا کر کہہ رہا تھا ... ایک طرف کھڑی یہ تماشہ دیکھ رہی تھی۔

"کون ہو تم؟ اور میرے گھر میں گھسے کیوں

اصول حق

☆ سچائی کی مشعل جہاں دکھائی دے اس سے فائدہ اٹھاؤ یہ مت دیکھو کہ مشعل بردار کون ہے۔

☆ ہر روز ایک ایسا کام ضرور کرو جو دوسروں کے لیے ... ہو۔

☆ زندگی کے ہر عمل میں توازن رکھنا انسان کو بہت سے مصائب اور ... سے بچاتا ہے۔

☆ خوشامد اور تعریف کی ... شیطان کے ... ہیں۔

☆ مصائب کا مقابلہ صبر سے اور نعمتوں کی قدر شکر سے کرو۔

(...)

کھڑے ہو؟" وہ انتہائی درشتی سے بولا۔ ... جانتے تھے کہ یہ کسی ایس پی کا گھر ہے لہٰذا ذیشان کو خاموش رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے بظاہر نرم لہجے میں بولے۔

"دیکھو لڑکے ہم یہاں کوئی جھگڑا کرنے نہیں آئے۔ تم بس ہماری بہو ہمارے حوالے کر دو۔"

"آپ کی بہو؟ کون ہے آپ کی بہو؟" وہ حیرت سے بولا۔

"وہی جو ابھی تمہارے پہلو میں کھڑی ہے۔ وہ میری بیوی ہے۔" ذیشان نے جیسے دھماکہ کیا تھا۔ اس نے ششدر ہو کر اپنے قریب کھڑی شازار کو دیکھا۔

"یہ... یہ کیا کہہ رہا ہے؟" وہ چکراتے ہوئے بولا۔

"وہ... یہ جھوٹ بول رہا ہے میں اس کی کوئی بیوی نہیں ہوں اس نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ آپ پلیز میرا یقین کریں بلکہ آپ ابھی اور اسی وقت نانو سے پوچھ لیں انہیں سب معلوم ہے۔"

شاداں خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے جلدی جلدی بولی۔

"اوہ تو یہ ہے وہ شخص جس پر تو ہو کر تم مجھ سے الجھتی تھیں۔"

"شٹ اپ۔" داور ذیشان کی بات قطع کرکے زور سے دھاڑا۔ "آپ لوگ ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے نکل جائیں اور رہی بیوی والی بات تو قانون اس بات کا فیصلہ کرے گا کہ یہ لڑکی سچ کہہ رہی ہے یا تم جھوٹ بول رہے ہو۔" وہ ذیشان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دبنگ لہجے میں بولا۔

"دیکھ لوں گے۔"

"اے ایس پی داور احمد۔" داور سفیر حسن کی بات درمیان میں اچکتے ہوئے بولا۔ ایک لمحے کو دونوں باپ بیٹے خاموش ہو گئے۔ مقابل کوئی معمولی شخصیت کا حامل انسان نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے ہم ابھی تو یہاں سے جا رہے ہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ تم شاداں کو خود ہمارے حوالے کر دو۔" یہ کہہ کر سفیر حسن زبردستی ذیشان کو وہاں سے لے گئے۔

شاداں بری طرح رو رہی تھی جبکہ داور بالکل اس کے سامنے بیٹھا کسی گہری سوچ میں غلطاں تھا۔ اس نے ایک بار بھی اسے چپ کرانے کی کوشش نہیں کی تھی اور یہی بات شاداں کو زیادہ رلا رہی تھی۔ داور کی بے اعتنائی اسے اندر ہی اندر کاٹ رہی تھی۔ اسی دوران نانو اقبال وغیرہ اسی گھر میں داخل ہوئیں۔ جوں ہی شاداں کی نگاہ ان پر پڑی وہ تقریباً بھاگتی ہوئی ان کے سینے سے جا لگی۔

"کیا ہوا شاداں کیوں اتنا رو رہی ہو؟" نانو کے تو گویا ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

کچھ دیر پہلے ہی داور نے انہیں فون کیا تھا اور فوراً انہیں گھر آنے کو کہا تھا۔ پورے راستے وہ طرح طرح کے وہموں کا شکار رہیں۔ اب شاداں کو یوں بے تحاشہ روتے دیکھ کر وہ سخت پریشان ہو گئیں۔ فراز اور زویا بھی منتظر سے کھڑے معاملے کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"زویا انہیں پانی پلاؤ اور نانو آپ ذرا میرے پاس آ کر بیٹھئے۔" داور کی سپاٹ سی آواز ابھری اور اسی دم شاداں کے آنسوؤں کو بریک لگ گئے تھے۔ وہ ہمہ تن گوش ہو کر داور کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جو اس وقت خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔ نانو شاداں کو اپنے ساتھ لگائے داور کے قریب آ کر بیٹھ گئیں جبکہ زویا کے لائے ہوئے پانی کے گھونٹ وہ گھونٹ ہی جلد حلق سے اتار گئی۔

"نانو مجھے سب کچھ سچ سچ بتائیں کہ یہ محترمہ یہاں کیوں اور کس سے بھاگ کر آئی ہیں؟" داور کا کٹیلا انداز شاداں کو بھی اندر سے کاٹ گیا۔

"بیٹا تم کیسے سوالات کر رہے ہو؟" نانو کافی حیرت سے بولیں۔

"ان کے شوہر اور سسر انہیں لینے آئے تھے۔" وہ خاصا جل کر بولا جبکہ یہ سن کر زویا اور فراز شاکڈ رہ گئے۔

"ہائے وہ کمینے یہاں بھی پہنچ گئے۔" نانو متفکر انداز میں بولیں پھر داور سے گویا ہوئیں۔ "بیٹا تم کچھ کرو وہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔"

"اتنی اہم بات آپ لوگوں نے مجھ سے کیوں چھپائی؟" وہ چیخ کر بولا۔

"بیٹا ہم تمہیں بتانے والے ہی تھے کہ وہ خود آن پہنچے۔" وہ داور کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی غرض سے جلدی سے بولیں۔

"یہ بات آپ کو مجھے بہت پہلے بتانی چاہیے

تھی۔" داور کو نانو اور شاداں پر بے حد غصہ آ رہا تھا کہ انہوں نے اتنا بڑا معاملہ اس سے پوشیدہ رکھا۔

"اور یہ لڑکی۔" اسے شاداں پر پھر سے غصہ آ گیا۔ "مجھ پر اعتبار نہیں کر سکی تھی۔" وہ اندر ہی اندر سلگ کر بولا۔

"بیٹی بہت ہراساں تھی اس نے مجھے یہ بات کسی کو بھی بتانے سے منع کیا تھا۔ اب ہم تمہیں بتانے ہی والے تھے کہ وہ کم بخت خود ہی چلا آیا۔" وہ ذیشان کو برا بھلا کہتے ہوئے بولیں۔

"آپ مجھے بتانا پسند کریں گی کہ سارا معاملہ کیا ہے؟" وہ شاداں سے بولا تو شاداں سب کچھ بتاتی چلی گئی۔ فراز اور زویا یہ سب سن کر اس کی ہمت و جرات پر دنگ تھے۔ حیران تو داور بھی اندر سے ہوا لیکن اس نے ظاہر نہیں کیا۔ "وہ تو پہلے ہی ہراساں اور منتشر انہیں کے ساتھ یہاں پہنچی تھی اور تھانے میں تم نے اس کو مزید پریشان و ہراساں کر دیا تھا۔" اس کے دل نے اسے ملامت کی۔

"اس نے مجھے خود تین بار طلاق دی تھی لیکن یہ میرے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ وہ شخص مجھ سے انتقام لینے کے لیے اتنی بڑی بات سے مکر جائے گا۔" وہ ذرا سا رک کر پھر بولی۔ "ذیشان نے مجھے اور میرے گھر والوں کو اتنا ہراساں اور پریشان کر دیا تھا کہ اس پریشانی اور غیرت کے صدمے نے میرے ابا کی بھی جان لے لی۔" اتنا کہہ کر وہ پھر سے رونے لگی۔ نانو نے اسے انتہائی محبت سے اپنے سینے سے لگا لیا۔

داور اس کی تمام کتھا سن کر انتہائی خاموشی سے وہاں سے اٹھ آیا۔ زویا اور فراز اور نانو اسے تسلیاں دینے لگے۔

⊛⊛⊛

اس دن کے بعد سے داور بہت سنجیدہ اور خاموش سا ہو گیا تھا۔ صبح سویرے ہی وہ گھر سے نکل جاتا تو پھر رات گئے واپس لوٹتا۔ شاداں سمیت سب گھر والے داور کا یہ انداز دیکھ کر پریشان تھے۔ داور نے شاداں کی حفاظت کے لیے دو کانسٹیبل اپنے بنگلے میں تعینات کر رکھے تھے۔ جبکہ اس نے زویا کو بھی کالج جانے سے منع کر دیا تھا۔ شاداں کا اماں اور ادی سے رابطہ ہو چکا تھا۔ وہ دونوں اس کی سلامتی کے لیے دعا گو تھیں اور سنجیدہ خاتون کی انتہائی مشکور و ممنون تھیں جنہوں نے اتنے کڑے وقت میں ان کی مدد کی تھی۔

نیند نہ آنے کی وجہ سے شاداں لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی چینل سرچ کر رہی تھی کہ اسی دم لاؤنج کا دروازہ کھول کر تھکا ماندہ داور اندر داخل ہوا۔ شاداں کے دل کی دھڑکنیں اسے دیکھ کر منتشر سی ہو گئیں تھیں اور داور اسے اس وقت لاؤنج میں بیٹھا دیکھ کر چونک گیا۔

"نانی جان اور سب ٹھیک ہیں؟" داور جلدی سے بولا۔

"جی سب ٹھیک ہے مجھے نیند نہیں آ رہی تھی تو یہاں آ کر ٹی وی دیکھنے لگی۔" وہ آہستگی سے بولی۔

شاداں نے دیکھا کہ داور کی نگاہوں میں نہ اس کے لیے پہلے جیسی شوخی تھی نہ شوق کی گرمی۔

اقوال زریں

٭ محنت سے کمائی کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔
٭ خود غرضی مت کرو بدنام ہو جاؤ گے۔
٭ زیادہ دولت سمیٹنا غفلت کی نشانی ہے۔
٭ شرم و حیا ایمان کی نشانی ہے۔
٭ ہر مشکل انسان کی ہمت کا امتحان ہوتی ہے۔
٭ زندگی کی مصیبتیں کم کرنا چاہتے ہو تو زیادہ وقت زیادہ مصروف رہو۔

(رفعت شاہین.... کراچی)

"اتنی جلدی مجھ سے اکتا گئیں، بکھر گئیں اور مجھے اپنی جانب متوجہ کر کے خود ہی بیگانہ ہو گئے۔" وہ انتہائی دکھ سے خود سے بولی پھر اسے پلٹتا دیکھ کر وہ بے ساختہ اس سے پوچھ بیٹھی۔

"آپ کھانا کھائیں گے؟" وہ رخ موڑ کر ایک لمحہ کو اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو۔" وہ سنجیدگی سے بولا تو شادالہ کچن میں چلی آئی۔ "میں جہاں جاتی تھی تمہاری نظریں ہر وقت میرے وجود کا احاطہ کیے رکھتی تھیں جب تم مجھے اپنی الفت بھری نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے اس سے میں تم سے کتنا چڑ جاتی تھی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جب تمہاری نگاہ مجھ پر ٹھہرتی تھی تو میں اپنے آپ کو معتبر سمجھنے لگتی تھی۔ اور اب... اب تم بھول کر بھی مجھ پر نگاہ نہیں ڈالتے تو میں اپنے آپ کو اس جہاں سے بھی زیادہ حقیر سمجھنے لگی ہوں جو شان سے ٹھوکروں کے قدموں میں آ کر رہ جاتا ہے۔ تمہاری لاتعلق نگاہوں نے مجھے نہ جانے کون کون سی داستانیں سنائی ہیں اور اب تم سب کچھ بھول گئے۔ شاید میں ہی پاگل تھی کہ تمہاری اک نگاہ شوق کو تمہاری الفت سمجھ بیٹھی۔ یہ شاید تمہارے حسن کا کھیل تھا اچھا ہوا یہ خوش فہمی جلد ہی دور ہو گئی یہ لڑکیاں ہوتی ہی خوش فہم ہیں کسی کی ایک نگاہ التفات پر فوراً پگھل جانے والی اس کے قدموں میں خاک ہو جانے والی۔" وہ اذیت سے سوچ رہی تھی۔ بھیگی آنکھوں کے کنارے رگڑتے ہوئے چلے گئے۔ وہ کھانا لے آنے سے پہلے ہی کھانا میز پر رکھ کر واپس کمرے میں گھس گئی آنکھوں میں یک دم سمندر امڈ آیا تھا۔

وہ نے ذیشان کے اوپر گہری نگاہ رکھی ہوئی تھی۔ وہ صرف ذیشان کے کوئی ایک غلطی کرنے کا منتظر تھا۔ سفیر حسن بھی کافی معروف شخصیت تھے جس کی پہنچ کافی اوپر تک تھی جس کی وجہ سے وہ پریشان سا ہو جاتا تھا کہ وہ یہ معاملہ جلد از جلد حل کرے۔ وہ دن رات کا فرق بھلائے اس کیس کو حل کرنے میں لگا ہوا تھا۔ پھر بالآخر اسے ذیشان کو اریسٹ کرنے کا موقع مل ہی گیا۔ ذیشان نے ایک نائٹ کلب میں شراب پی کر ایک لڑکی کے ساتھ کافی بدتمیزی کی تھی۔ حسن اتفاق وہ لڑکی ایک بزنس ٹائیکون کی بیٹی تھی۔ اور اس نے ایک لڑکی کے ساتھ شراب پی کر بدتمیزی کرنے کے جرم میں حوالات میں بند کر دیا اور دوران تفتیش اس سے بڑی ہوشیاری سے سب کچھ اگلوا لیا۔ ذیشان نے اقرار کر لیا کہ وہ شادالہ کو طلاق دے چکا ہے۔ بعد ازاں اس نے انتہائی مجبور ہو کر طلاق کے کاغذات پر بھی دستخط کر دیے جبکہ دوسری طرف سفیر حسن کا بھی برا وقت شروع ہو گیا۔ احتساب سیل ان کی اتنی بڑی جائیداد کی انکوائری کر رہی تھی اور ان کے خلاف فراڈ اور دھوکہ دہی سے متعلق کافی ثبوت بھی جمع کر لیے تھے۔ اپنی ساری اکڑ بھلائے وہ اپنی جان بچانے کے لیے ادھر ادھر چھپتے پھر رہے تھے۔

۞۞۞

موسم بہت خوش گوار تھا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا جسم سے ٹکرا کر ایک پرکیف سا احساس پیدا کر رہی تھی۔ آسمانوں میں اڑتے رنگ برنگے پرندے اب اپنے گھونسلوں میں جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ دن بھر کا تھکا ماندہ سورج بھی اب ڈوبنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اور اس بہار کی اس حسین شام میں وہ سب لان میں بیٹھے چائے کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

"زویا کافی دن ہو گئے یہ اپنی بدھا نہیں آئی کہیں بیمار وغیرہ تو نہیں ہو گئی۔" فراز بظاہر لاپروائی سے بولا جب کہ زویا نے شاید فراز کی بات سنی نہیں تھی۔ وہ

شہوار کے ساتھ کسی مسئلے پر زور و شور سے گفتگو میں مصروف تھی البتہ شادالہ نے اسے کافی تیز نگاہوں سے دیکھا جس پر فراز تھوڑا سا شرمندہ سا ہو گیا۔

"آپ تمھیں بدھا کی کیوں یاد آ رہی ہے بے چاری جب آتی ہے تو اسے ہر وقت زچ کیے رکھتے ہو اب اسے دنوں سے وہ نہیں آئی تو اپنی بدھا ہو گئی۔" شادالہ اسے چھیڑتے ہوئے بولی تو فراز کھسیانا سا ہو کر سر کھجانے لگا جبکہ زویا کے بھی اسی سے کان کھڑے ہو گئے۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ کون نہیں آئی؟" زویا ذرا متعجب ہو کر بولی تو شادالہ نے فراز کو استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا جو آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے خاموش رہنے کی التجا کر رہا تھا۔ وہ بے ساختہ ہنس دی۔

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ اپنی بدھا کتنے دنوں سے نہیں آئی۔" شادالہ "اپنی" پر زور دے کر بولی تو زویا نے شاکی نگاہوں سے فراز کو دیکھا۔

"شادالہ باجی فراز بھائی کو اس کا آنا جو پسند نہیں ہے ہر وقت تو اس سے لڑتے رہتے ہیں۔ اس لیے شاید وہ ناراض ہو گئی۔" زویا کافی فکر مندی سے بولی۔

"تم سے کس نے کہا کہ فراز کو اس کا آنا پسند نہیں؟" شادالہ نے مسکرا کر زویا سے استفسار کیا تو سبھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"کہنے کی کیا ضرورت ہے فراز بھائی کا رویہ ہی اس کے ساتھ اتنا برا ہوتا ہے۔" وہ وضاحت دے کر بولی۔

"ایسا کرو فراز تم بدھا کے جا کر معافی مانگو اور اسے یہاں لے آؤ۔" شادالہ فراز سے مخاطب ہو کر بولی۔

"جی میں ابھی جاتا ہوں۔" وہ انتہائی سعادت مندی سے کہتے ہوئے فوراً کرسی سے اٹھا جبکہ زویا فراز کا یہ انداز دیکھ کر وہ حیرت میں گم ہو گئی۔ یک دم شادالہ اور بدھو ہنسنے لگیں۔ تو فراز کی بے تابی دیکھ کر بہت کچھ سمجھ گئی تھیں۔

"یہ آپ لوگ کس لیے ہنس رہے ہیں؟" زویا نے خاصا الجھ کر پوچھا۔

"ارے بھئی اب بدھا دلہن بن کر آئے گی۔" شادالہ خوشی سے کھلکھلاتے لہجے میں بولیں۔

"دلہن کس کی دلہن؟" زویا ابھی تک نہیں سمجھ سکی تھی۔

"ارے وہ فراز کی دلہن بن کر آئے گی۔" شادالہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"کیا واقعی؟" زویا خوشگوار حیرت میں گھر کر بولی جبکہ فراز کے اندر طمانیت سی پھیل گئی۔ اسی لمحے ہوری کی گاڑی پورچ میں داخل ہوئی۔

"ارے واہ آج تو بھیا اتنی جلدی گھر آ گئے۔" زویا خوشی سے بولی۔ گاڑی سے اتر کر وہ سیدھا لان میں چلا آیا جس کے چہرے سے شدید تھکن کے آثار

سنہری باتیں

کوئی تم سے بے اعتنائی برتے تو جواباً تم اس سے محبت سے پیش آؤ اور اسے رویے کی مٹھاس سے شرمندہ کرو۔

بے اعتنائی بے اعتباری کہنے کو تو یہ صرف تین لفظ ہیں لیکن ان میں ان دیکھی دنیا بستی ہوتی ہے۔

جس شخص کو غور و فکر کی عادت ہے وہ اپنی ذات سے دولت کرتا ہے۔

اگر تمھیں دوستی ہی قبول ہو تو وہ عطرہ ہے۔

مبارک ہیں وہ لوگ جن کے پاس نصیحت کرنے کے لیے الفاظ نہیں اعمال ہیں۔

(صنوبر شاہین ... عمر شاہ نسیم)

تھے اور سرخ آنکھیں بے خوابی کی چغلی کھا رہی تھیں۔ سب کو اجتماعی سلام کرتے ہوئے اس نے ایک خاکی لفافہ ناتو کی جانب بڑھایا۔ کھڑے کھڑے ہوئے انہوں نے لفافہ کھولا اور جوں ہی پڑھا ان کے چہرے پر ان گنت رنگ بکھر گئے۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" وہ بے ساختہ بولیں اور وہ کاغذ شادالہ کی طرف بڑھا دیا۔ شادالہ نے گومگو کی سی کیفیت میں وہ کاغذ تھاما۔ "اوہ تو ذیشان نے اپنا جھوٹ قبول کر لیا۔" ذیشان کی طرف سے دی گئی تحریری طلاق دیکھ کر وہ دل میں بولی۔ اسے لگا جیسے اس کے سر سے بہت بڑا بوجھ سرک گیا ہو تمام خوف و خدشات یک دم ہی پر لگا کر اڑ گئے۔ اس نے اپنے آپ کو ایک ایسا آزاد پنچھی سمجھ رہی تھی جو جہاں چاہے جدھر چاہے اپنی اڑان بھر سکتا ہے۔ سامنے اپنی ہم شیرہ زندگی وہ دوبارہ دل کی بجائے اس کا بازو تھام کر تمام کر لیٹ اور کو جا رہا تھا۔ وہ انتہائی ممنون و مشکور نگاہوں سے دادو کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے مجھے اتنی بڑی مصیبت سے نجات دلائی۔"

"بس لوگے" دادو نے فقط اتنا ہی کہا اور پھر ناتو کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "ماموں میں بہت تھک گیا ہوں مجھے ابھی ہی جانا چاہیے۔" وہ اپنے سابقہ انداز میں بولا تو ناتو کے ساتھ ساتھ فراز اور زویا بھی بہت خوش ہو گئے۔ زویا فوراً اس کے لیے چائے بنانے چلی گئی جبکہ شادالہ ناتو کے کہنے پر یہ خوشخبری اماں اور دادی کو سنانے کی غرض سے لاؤنج میں رکھے ٹیلی فون اسٹینڈ کی طرف چلی آئی۔ اماں اور دادی یہ خبر سن کر بے تحاشا خوش ہوئیں۔ وہ بار بار اللہ کا شکر ادا کر رہی تھیں۔

"بس بیٹی اب جلدی سے گھر آ جاؤ تمہیں دیکھنے کو یہ آنکھیں ترس گئی ہیں۔" دادی رقت آمیز لہجے میں بولیں۔

"جی دادی میں انشاء اللہ جلدی ہی گھر آ جاؤں گی۔" وہ آہستگی سے بولی۔ پھر تھوڑی سی اور بات کرنے کے بعد اس نے فون رکھا تو نہ جانے کہاں سے ایک بے نام سی اداسی دفعتاً ہی اس کے رگ و پے میں اترتا چلا گیا۔

شام کو دادو ڈیوٹی کر کے واپس آیا تو گھر میں اسے خلاف معمول کافی خاموشی محسوس ہوئی۔ لاؤنج میں زویا اور ناتو دونوں اداس سی بیٹھی نظر آ رہی تھیں۔

"خیریت ہے ناتو۔ آج اتنی خاموشی کیوں ہے؟" وہ ان کو متعجب ہو کر بولا۔

"اچھا وہ شادالہ بیٹی واپس اپنے گھر چلی گئی ہے اس لیے ہم اداس ہیں۔" زویا افسردگی سے بولی۔ دادو نے کافی چونک کر ناتو کو دیکھا پھر کافی حیرت لیے بولا۔

"شادالہ چلی گئی لیکن کب اور کس کے ساتھ؟"

"آج صبح فراز کے ساتھ چلی گئی۔ ایک نہ ایک دن تو اسے جانا ہی تھا۔" ناتو بھی اداس لہجے میں بولیں اور دادو اندر ہی اندر بے تحاشا ٹوٹ گیا۔ "اس لڑکی نے مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ مجھے خدا حافظ ہی کہہ دیتی۔" وہ دل ہی دل میں بولا اور بے حد دکھ کے ساتھ سوچا پھر کے وہ اپنے کمرے کی جانب چلا گیا۔ اس وقت وہ صرف تنہائی چاہتا تھا۔ شادالہ کے اس قدر اچانک اور روکھے انداز نے اسے کافی ہرٹ کیا تھا۔ وہ تو اس بات کا منتظر تھا کہ شادالہ اس کی کمی کو محسوس کر کے اسے منانے کی کوشش کرے گی لیکن وہ تو بنا کچھ دادو سے کہے یہاں سے چلی گئی تھی۔

⊛⊛⊛

اپنے گھر آنے کے بعد شادالہ کو سب لوگ بہت

یاد آ رہے تھے۔ زویا کی التفات بھری باتیں، فراز اور دادو کی وہ نوک جھونک ناتو کا ڈھیر سارا پیار اس کی آنکھوں کو نم کیے جا رہا تھا۔ فراز اسے گھر چھوڑ کر ایک دن یہاں رہنے کے بعد واپس لاہور چلا گیا تھا۔ زویا اور ناتو ہر دوسرے تیسرے دن اسے فون کیا کرتی تھیں۔ جن سے بات کر کے اسے اور بھی زیادہ ان کی یاد آتی تھی اور پھر سب سے زیادہ اس شخص کا خیال اسے ستاتا تھا جو نہ جانے کب اس کے دل کا مکین بن گیا تھا۔ جو اس کی ہر سانس میں رچ بس گیا تھا جس کا تصور اسے کسی پل چین نہیں لینے دیتا تھا۔ جب وہ تنہا ہوتی تو اس کا خیال خوشبو بن کر اسے ستاتا۔ تنہائی بھی خود شناسی اور آگہی سے دو چار کرتی ہے اور تنہائی کے ان لمحوں میں شادالہ پر یہ راز منکشف ہوا تھا کہ وہ دادو کی محبت میں مکڑی کی مانند بری طرح سے جکڑی جا چکی ہے۔ وہ محبت جو کبھی شعلہ ہے تو کبھی شبنم، کبھی ندی کی مانند بہک ہے تو کبھی ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی طرح چنچل، محبت جو تپتی دھوپ بھی ہے اور ٹھنڈی چھاؤں بھی، محبت روح کی پہچان آنکھوں کی ٹھنڈک انسانیت کی معراج ہے اور اگر یہ کسی قسمت والے کو مل جائے تو یہ زندگی حسین ترین ہو جاتی ہے۔ "لیکن شاید دادو کی محبت میری قسمت میں نہیں ہے۔" شادالہ نے آزردگی سے سوچا پھر ایک دن دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر شادالہ نے فون کر ہی ڈالا۔ اتفاق سے دادو نے ہی فون ریسیو کیا جس کی مخمور آواز سن کر شادالہ کے ہاتھوں میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی اور زبان جیسے ساکت سی ہو گئی جب تیسری بار دادو نے جھنجھلا کر ہیلو کہا تو وہ بمشکل بولی۔

"میں شادالہ بات کر رہی ہوں۔" چند لمحے کو دادو بالکل چپ سا ہو گیا پھر اگلے ہی پل بڑے سپاٹ انداز میں بولا۔

کرن شمیم اعوان ۔۔۔ بھاگٹانوالہ

س: شادی کے بعد ہر مرد میں ہی اپنی وسعت کو زن کرن اور دونوں رشتہ کیا کرنا چاہیے؟

ج: آپ بھی نہ کریں، پلیز اس کا فون نمبر نا تسلیم کریں۔

س: دوستی کے رشتے میں امیر غریب کا فرق ہونا چاہیے؟

ج: نہیں دوست دوست ہے۔ امیر غریب دوستی کی رو ہو۔

"میں زویا کو بلاتا ہوں۔" شادالہ کا دل اس سے ناراض ہو کر بکھرنے لگا۔ "اف یہ شخص جو میرے دم دم میں بس گیا ہے اب مجھ سے اتنا اجنبی کیوں ہو گیا۔" شادالہ کے دل نے دہائی دی۔ اس کا دل چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دے لیکن اتنی دیر میں زویا آ چکی تھی۔ شادالہ نے بمشکل اس سے بات کی اور تھوڑی دیر بعد انتہائی بوجھل دل سے فون رکھ دیا۔ پھر یک دم اسے اپنے آپ پر غصہ سا آ گیا۔ "آخر کیوں میں اس شخص کے پیچھے بھاگ رہی ہوں جسے میری ذرا بھی پروا نہیں۔ نہ جانے اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے اب میں ہرگز اس کے بارے میں نہیں سوچوں گی۔" اس نے اپنی آنکھیں بھینچ لیں۔ "میں اب نہیں دیکھوں گی میں اس بے حس شخص کے خواب نہ جانے کیوں اس ہرجائی کے خواب میری پلکوں کی دیواروں کو توڑ کر اندر گھسے چلے آتے ہیں لیکن اب ان آنکھوں میں اس کا کوئی خواب نہیں آئے گا کوئی احساس نہیں آئے گا۔" وہ ایک عزم سے سوچے گی۔

سیاہ گھنگھور گھٹائیں آسمان کے چاروں سو پھیلی ہوئی تھیں۔ کالے بادل بس برسنے کو تیار ہی کھڑے تھے۔ وہ دادی کے کہنے پر چھت پر جا کر جلدی جلدی سے سوکھے کپڑے رسی سے اتار رہی تھی۔ ابھی وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے ہی آئی تھی کہ ایک دم کال بیل کی

تیز آواز نے اسے چونکا دیا۔ "کہتے نظر پڑی کہ موسم میں کون آ گیا؟" شاذلہ سوچتی ہوئی کپڑے تخت پر رکھ کر دروازے کی جانب آ گئی اور جوں ہی دروازے کے پٹ وا کیے اسے حیرت کا زوردار جھٹکا لگا۔ پھر اگلے ہی پل یہ حیرت بے پناہ خوشی میں ڈھل گئی۔ بالو، بدر جاوید اور زویا دروازے پر کھڑی تھیں۔

"آپ لوگ۔۔۔" فرط مسرت سے وہ صرف اتنا ہی بول پائی اور بہت جوش کے ساتھ لپٹ گئی۔ پھر وہ اسی گرم جوشی سے بدر جاوید اور زویا سے ملی۔

"میں آپ لوگوں کو پورے ایک مہینے کے بعد دیکھ رہی ہوں۔" وہ خوشی سے چہکتے لہجے میں بولی۔

"کیا دروازے پر کھڑے کھڑے ہی ساری باتیں ہوں گی؟" کسی کی بھاری آواز پر وہ یک لخت چونکی اور دروازے سے ذرا سائیڈ پر کھڑے شخص کے ساتھ کھڑی شرٹ پینٹ اور اپنی شوخ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا وہ یک دم شرمندہ ہو کر بولی۔

"آپ لوگ پلیز اندر آیئے۔" اسی اثنا میں دادی اور امی بھی باہر آ گئیں جو بہت محبت و جوش سے ان کے ساتھ ملیں پھر یک دم بوندا باندی شروع ہونے پر وہ سب کے سب تیزی سے اندر بھاگے صرف شاذلہ ہی باہر کھڑی رہ گئی کیونکہ داور ابھی تک گھر کی دہلیز پر ہی کھڑا تھا۔

"پلیز آپ اندر آ جایئے۔ بارش تیز ہو رہی ہے۔" شاذلہ نے گھبرا کر بولی لیکن داور تو بھیگنے کے موڈ میں تھا۔

"داور اندر چلیے آپ کا بیگ گیلا ہو رہا ہے۔" شاذلہ نے بارش میں کھڑے داور کی توجہ سامان کی جانب دلائی دوسرے پل وہ بیگ اٹھا کر اندر آیا اور صحن کے ایک طرف بنے شیڈ میں رکھتے ہوئے اسے اندر جاتا دیکھ کر بولا۔

"پلیز شاذلہ اندر مت جاؤ موسم کی اس پہلی بارش میں تمہارے سنگ مجھے بھیگنا بہت اچھا لگ رہا ہے۔" وہ انتہائی محبوب لہجے میں بولا تو شاذلہ چونک کر بس اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس پل اسے عرصے کی بنائی ہوئی دیوار بھربھری ریت کی مانند ڈھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ پھر کچھ یاد آتے ہوئے وہ بولا۔

"تم انتہائی بے مروت اور ظالم لڑکی ہو۔" داور کنفیوز ہوتی شاذلہ کو دیکھ کر شرارت سے بولا۔ داور کی اس بات پر اسے جھٹکا سا لگا۔ پھر وہ کچھ مشتعل سی ہو گئی۔

"میں بے مروت اور ظالم لڑکی ہوں یا آپ انتہائی برے اور ظالم انسان ہیں۔" داور کے اس الزام پر وہ بے ساختہ چیخ کر بولی۔

"اچھا تو انتہا پھر کون ہوا؟" داور اس کے قریب آتے ہوئے بولا تو وہ جیسے بھٹکتے تخت پر جا بیٹھی۔

"میرے اوپر بہت سارے الزامات خود پر بھی دیکھیے پہلے ایک تو پولیس اسٹیشن میں آپ مجھ سے کتنی بے رخی سے پیش آئے پھر میری حقیقت جان لینے کے بعد مجھ سے کتنی بے رخی کا اظہار کیا سیدھے منہ بات کرنا تو دور کنار آپ نے مجھے ایک نگاہ دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا جیسے میں اس سارے قصے میں سب سے بڑی گناہ گار ہوں۔" وہ بولتی چلی گئی جذبات میں آ کر وہ یہ بھی نہ دیکھ سکی کہ داور اسے کتنی دلچسپی سے دیکھ رہا ہے۔

"اور تو اور جب میں نے فون کیا تو کتنی بے اعتنائی سے بول دیا کہ 'زویا کو بلاتا ہوں۔'" آخری جملہ وہ اسی کے انداز میں دہراتے ہوئے بولی جبکہ داور دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ شاذلہ کے اندر کی ساری بدگمانیاں باہر نکال دے جو نہ جانے

... سے اس نے داور کے خلاف پال رکھی تھیں۔ ... داور کو جتنا دیکھ کر خفیف سی ہو گئی۔ وہ جھینپ کر ... جانے کو آگے بڑھی ہی تھی کہ داور نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے جانے سے روک لیا۔

"اے بدگمان لڑکی! کچھ میرے اس دل کی بھی سنتی جاؤ۔" وہ گھمبیر لہجے میں بولا۔

"میں چاہتا تھا کہ پولیس اسٹیشن میں تمہارے ساتھ جو رویہ میں نے اپنایا تھا اس کی بدولت تم مجھ سے بدظن اور بدگمان ہو گئی تھیں لیکن جب مجھے شاذلہ کی حقیقت معلوم ہوئی تو میں بہت نادم ہوا۔ ... میں نے تم سے معافی مانگنی چاہی لیکن تم مجھ سے ... زیادہ خفا تھیں معافی مانگنے کا موقع ہی نہیں ... پھر نہ جانے کب تمہاری خفا خفا سی صورت میرے دل کے ایوان پر قابض ہو گئی مجھے معلوم ہی نہیں ہوا۔" داور کہتا چلا گیا۔ بارش کی رفتار اب کافی تیز ہو گئی تھی۔ "اور ہاں میری بے رخی کا ... تو اس کی ذمہ دار تم تھیں۔" شاذلہ نے داور کے چہرے پر ناسی تحیر آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

"... میں تم سے اس بات پر سخت خفا ہو گیا تھا کہ ... نے مجھے اتنا برا اور قاتل بھی سمجھ لیا کہ ... جیسی اہم بات مجھ سے چھپائی اور تو اور میری ... کے مطابق پروا ہی نہ کرتے ہوئے مجھے بتائے ... چلی آئی ہیں۔" داور نے اسے انتہائی شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے قدرے خفگی سے جواب دیا تو ... شرمندگی و ندامت کے سمندر میں اتر گئی۔

"آئی ایم سوری داور! لیکن یہ سچ ہے کہ پولیس اسٹیشن میں آپ کا انتہائی سخت گیر رویہ دیکھ کر میں آپ سے ہی بدگمان ہو گئی تھی مجھے اس بات کا ڈر تھا ..." وہ ذرا سا جھجکی۔

"شاید آپ میری باتوں پر یقین نہ کریں اور مجھے ذیشان کے حوالے۔" وہ ندامت سے بھر پور لہجے میں بولتی اپنا جملہ ادھورا چھوڑ گئی۔ "لیکن داور! آپ میرا یقین کریں اس دن جب ذیشان گھر آیا اور آپ کو تمام حقیقت معلوم ہوئی تو اس لمحے مجھ پر یہ ادراک ہوا کہ آپ سے زیادہ میں اس دنیا میں کسی اور پر بھروسہ نہیں کر سکتی اور نہ ہی آپ کی بے رخی برداشت کر سکتی ہوں۔" وہ بڑی بے چارگی سے بولی جواب کے بدلے میں اپنا شاذلہ کا اقرار سن کر داور جھوم اٹھا۔ بارش اب رک چکی تھی اور ہر چیز دھل کر نکھری نکھری لگ رہی تھی۔

"تو پھر آپ کو یہ ظالم اور بے مروت انسان قبول ہے؟" وہ شرارتی انداز میں بولا تو شاذلہ اپنی شرمیلی مسکراہٹوں کو کنٹرول کرتے ہوئے بولی۔

"اندر چلیے سب لوگ نہ جانے کیا سمجھ رہے ہوں گے۔"

"سب کو جو کچھ سمجھنا تھا سمجھ لیا۔" بدر جاوید اور زویا دونوں کھلکھلاتی ہوئی باہر آ گئیں۔

"یہ کیا بھیا! شاذلہ باجی کو منانے میں اتنا ٹائم لگا دیا کہ ہماری بارش بھی مس کروا دی۔" زویا منہ بسور کر بولی۔

"اس موسم میں اگر فراز یہاں ہوتا تو کتنا مزہ آتا۔" بدر جاوید نہ جانے کس رو میں آ کر بول گئی جس پر تینوں نے اسے کافی معنی خیز اور شوخ نگاہوں سے دیکھا تھا۔ "وہ میں۔۔۔ میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی۔" بدر جاوید کھسیانی سی ہو کر بولی جب کہ فضا میں ان تینوں کا مشترکہ قہقہہ ابھرا تھا۔ بارش کے اس پانی میں ساری کدورتیں اور بدگمانیاں بہہ گئی تھیں۔